اُردو مرکز لائبریری

اُردو ادب کے جاں فروز مرثیوں کا علمی انتخاب

پیامِ زندگی

جلد دوم

ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی
(اقبال)

مُرتّبہ
مولینا تاجور نجیب آبادی پروفیسر دیال سنگھ کالج ایڈیٹر اتحاد

بہ اعانت
حضرات اراکین اُردو مرکز لاہور

میسرز عطر چند کپور اینڈ سنز پبلیشرز لاہور

اُردو مرکز لاہور

ملک کی واحد اکیڈمی (اُردو مرکز لاہور) انتخاب ہفت کشور پنجاب کے دار السلطنت لاہور میں ذیل کے اہم مقاصد کی تکمیل کے لئے ایک بڑے سرمایہ سے قائم کی گئی ہے

(۱) اُردو لٹریچر کے ذخیرۂ بیکراں میں سے اُس جاندار اور مفید حصے کو جو محفوظ رکھنے کے قابل ہے۔ حتی الامکان تاریخی ترتیب کے ساتھ مجلدات میں شائع کرنا۔

(۲) اُردو زبان کی مکمل انسائیکلو پیڈیا کی تالیف۔

(۳) ایک جامع اُردو لُغات کی ترتیب۔

(۴) اُردو مرکز کی مجلس ادبا (جو درحقیقت اردو زبان کے لئے ایک ادبی دار الافتاء ہے) کے ذریعہ علمی ضروریات کے مناسب جدید الفاظ کی اختراع و متنازع فیہ امور کے متعلق ناطق فیصلہ کرنا۔

ایک باوقار علمی جماعت جسمیں ملک کے سربرآوردہ اہلِ قلم اور منتخب انشاپرداز شریک ہیں اُردو مرکز مذکورہ بالا اہم مقاصد میں سے پہلے مقصد کی تکمیل پر اپنی تمام تر توجہ مبذول کئے ہوئے ہے اسکی پہلی زرین کوشش تیس گرانقدر مجلدات کی صورت میں قدرشناس نگاہوں کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ آنریبل سر شیخ عبد القادر بالقابہ۔ خان بہادر شیخ نور الہی آئی۔ ای۔ ایس۔ پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی جیسے نقادانِ ادب کے مشوروں کے ماتحت یہ مجلدات جماعت اُردو مرکز نے ترتیب دئے ہیں۔ قدرشناس اہلِ نظر نے حوصلہ افزائی فرمائی۔ تو ہم کم و بیش ڈیڑھ سو مجلدات شائع کرکے اردو مصنفین کو بڑی بڑی لائبریریوں سے بے نیاز کر دینگے۔

تاجور نجیب آبادی۔ پروفیسر دیال سنگھ کالج۔ ایڈیٹر اتحاد و چیف ایڈیٹر اردو مرکز لاہور

کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس لاہور۔ باہتمام بابو گورانند تہ مل منیجر چھپی

فہرست مضامین

پیام زندگی

جلد دوم

(شہادت حُر)

۷۸۶
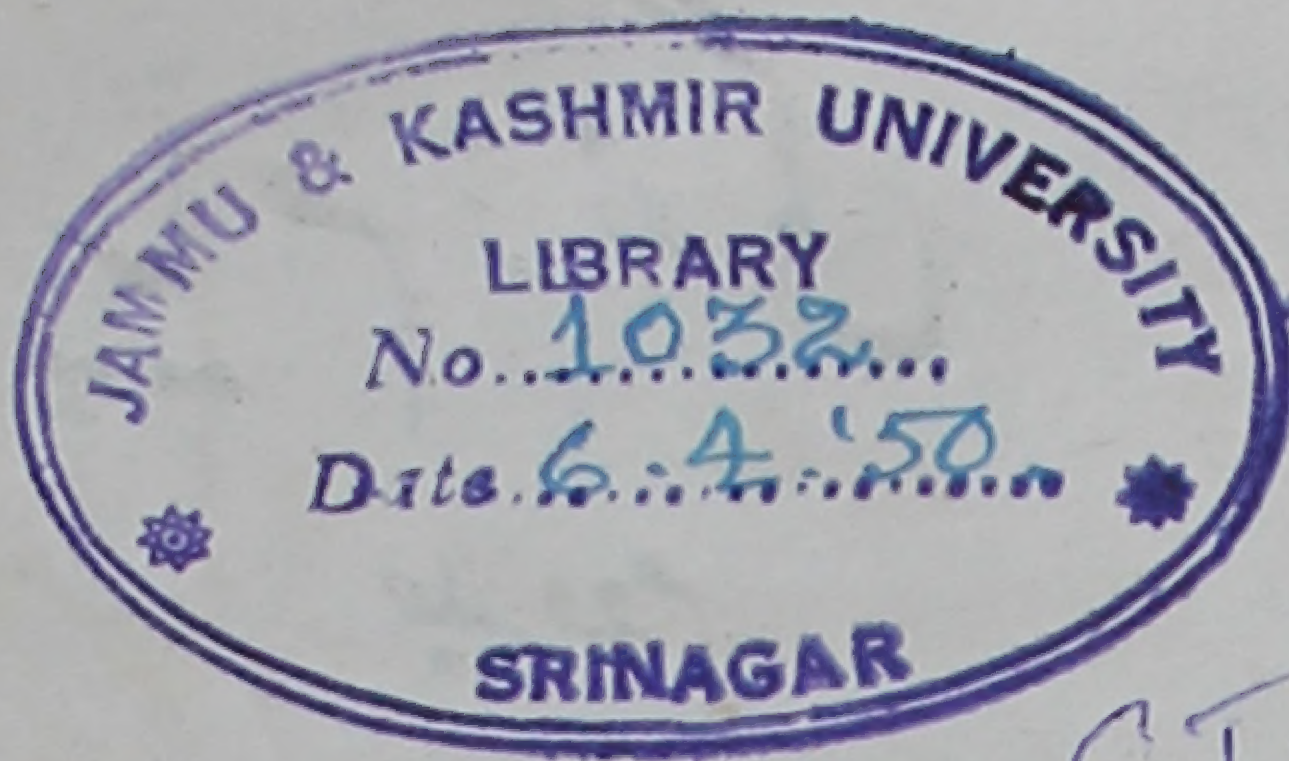
شہادتِ حُرؓ

پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ مبارک
"اِنّما الاعمالُ بالخواتیم"
(خاتمۂ حیات پر اعمال کی نیکی و بدی کا اعتبار ہوتا ہے)
حضرت حُرؓ کی ذات پر صادق آتا ہے۔

حُرؓ یزیدی افواج میں سے ایک لشکر کے کماندار تھے۔ انہیں سپہ سالار افواج شام کا حکم ملا کہ امام حسینؓ کوفہ کی جانب آ رہے ہیں ان کا راستہ روکو۔ حُرؓ اس فرمان کی تعمیل کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔ اثنائے راہ میں امام حسینؓ کے چھوٹے سے دستے سے مڈ بھیڑ ہوئی۔ قریب تھا کہ حُرؓ بھی امام حسینؓ سے تمرّد کا اظہار کر کے اُس شقاوتِ ازلی میں حصّہ دار ہو جائے جو

یزید اور اُس کی بدانجام افواج کی قسمت میں آئیں۔ لیکن توفیق ایزدی نے اُنہیں اس مہلکۂ عصیان و معصیت سے بچا لیا۔ حضرت امام کے لئے اُن کے سینے میں جذبات فداکاری و جان نثاری موج زن ہوئے اور یزید کی فوج سے الگ ہو کر انہوں نے امام حسین کی رفاقت کو اختیار کیا۔ سب سے پہلے ان جفاکاروں سے حضرت امامؑ کی حمایت میں جس نے شمشیر علم کی وہ یہی حُر تھے اور سب سے پہلے اُس شمع نور و ہدایت پر جو پروانہ وار نثار ہؤا وہی یہی پرستار حق و صداقت حُرؒ تھا جو سر لینے کے ارادے سے چلا تھا مگر اُن کے قدموں میں اپنا سر نثار کر گیا +

اس واقعہ کو مرثیہ نگاروں نے اپنے اپنے مخصوص اندازِ بیان میں قلم بند کیا ہے۔ حضرت حُرؒ کے واقعہ شہادت کے متعلق تمام پر زور مرثیوں کا انتخاب اس جلد میں شائع کیا جاتا ہے +

حضرت فصیح

سپہ سالارِ افواج شام ابن سعد حرؓ کو امام حسین علیہ السلام کا راستہ روک لینے کے لئے تعینات کرتے ہوئے کہتا ہے :۔

روکنا آئے کوئی فوجِ مدینہ سے اگر راہ دینا نہ کسی قوم و قبیلہ کو اِدہر
سدِّ رہ اہلِ خزائل کا تو رہنا اکثر اسدی قوم سے تو رہیو نہ غافل دم بھر

قیس بن عروہ کو سردار سواروں کا کیا
شیث نے عہدہ پیادوں کی حکومت کا لیا

پھر فوج سے اسطرح خطاب کیا ؎

آج مردانہ کرو رزم نہ ہمّت ہارو!
پیاسے دو روز سے ہیں گھیر کے انکو مارو

حضرت امام حسینؑ نے اپنی فوج کا جائزہ لیتے ہوئے ان کی قلّت سے متاثر ہو کر کہا ؎

کیا مجھے دیتے ہو پیغام صف آرائی کا
شرم آتی ہے نہ لو نام صف آرائی کا

سُنکے یہ مستعدِ جنگ ہوئے سب غدار کُھل گئے سارے نشانوں کے پھریرے اکبار
کوس حربی پہ لگی چوب یمین اور یسار نیزے سیدھے ہوئے اور برق سی چمکی تلوار

عربی باجوں سے آتی تھی صدا ماتم کی
شیون آلودہ اک آواز تھی زیر و بم کی

شہ کے انصار نے جسدم یہ سُنا شور نشور جمع ہو کر گئے سب سبطِ پیمبرؐ کے حضور
عرض کی مستعدِ جنگ ہوئے ہیں مقہور کر چکا فوج کو آراستہ ظالم مغرور

آپ بھی کیجئے آراستہ لشکر شاہا
دیکھئے بڑھتے ہی آتے ہیں ستمگر شاہا

کیا تمہیں اُن سے لڑاؤں مجھے آتی ہے حیا لشکرِ شام کجا لشکرِ شبیر کجا
جاؤ تم سب کو کیا میں نے مرخص برضا دست بردار ہو اب مجھ سے نہ دو ساتھ مرا

تنِ تنہا ہی لڑوں گا میں ستمگاروں سے
مجھ سے اعدا کو غرض ہے نہ مرے یاروں سے

بہادر فوج نے جواب دیا :-

آپ غم کھائیں نہ ہرچند یہ خادم ہیں کم حکم کی دیر ہے کر دینگے صفوں کو برہم
آپ لشکر کریں آراستہ اے شاہِ اُمم دیکھئے بھاگتے پھرتے ہیں ابھی اہلِ ستم

سب رفیقوں کی طرف شاہ نے کی پہلی نگاہ
متوجہ ہوئے پھر سمت عزیزان نگاہ

شہ نے عباس کو ناگاہ پکارا اُس آن اور کہا تم ہو سزاوار اُٹھاؤ یہ نشان
آکے عباس ہوئے شاہ کے پہلے قربان پھر علم لے کے کہا ہے مری عزت کا نشان

کبھی فرزندِ پیمبر کے قدم چومتے تھے
کبھی آنکھوں سے لگا کر وہ علم چومتے تھے

پھر بصد عجز لگے کرنے دعا خالق سے آبرو تیرے علمدار کی ہے ہاتھ ترے
ہے یہ وہ منصب والا کہ سزاوار اسکے حضرت جعفر طیار تھے یا حیدر تھے

میں تو اس رتبۂ عالی کا سزاوار نہ تھا
کیونکہ ہم مرتبۂ جعفر طیار نہ تھا

میرے بھائی نے مجھے اپنا علمدار کیا میرے آقا نے مجھے فوج کا سالار کیا
میرے مولا نے مجھے جعفر طیار کیا میرے سرور نے مجھے سرحد و سردار کیا

ذرّہ تھا میں مجھے خورشید کیا بھائی نے
مجھکو واللہ بڑا رتبہ دیا بھائی نے

اسطرف کرتے تھے اعدا جو مبارز طلبی — عرض کرتے تھے وفادار کہ اے سبطِ نبی
حکم ہو جنگ کا ہے ہمکو بہت تشنہ لبی — روکتے تھے انہیں فرزندِ رسولِ عربی
کہتے تھے صبر کرو جنگ میں ہے دیر ابھی
منتظر ہوں نہیں آیا ہے مرا شیر ابھی

ناگہاں حُر دلاور ہوا میداں میں عیاں — اور کیا گھوڑے کو حضرت کیطرف گرم عناں
فرطِ شادی سے ہوا سُرخ رخِ شاہ زماں — حُر کی جانب کیا رہوار کو اپنی جولاں
پیار سے دیکھتے تھے سبط نبی حُر کی طرف
نگہِ لطف و عنایت تھی بہادر کی طرف

حضرت امام حسینؑ نئے مہمان کا استقبال کرتے ہیں ۔ جوشِ محبّت میں اس سے بغلگیر ہو جاتے ہیں ۔ حُر آپ پر فدا ہونے کی درخواست کرتا ہے ۔ امامؑ روکتے ہیں ۔ حُر اصرار کرتا ہے ؎

ہو کے غمناک کیا شاہ نے رخصت ناچار

سب سے پہلے حُر میدانِ جنگ میں پہنچتے ہیں اور دشمنوں سے لڑکر شہید ہو جاتے ہیں ۔
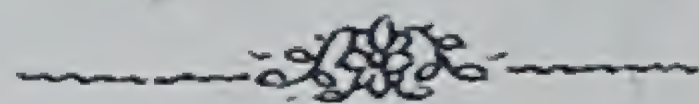
میر ضمیر

امام حسینؑ کا سفرِ عراق اور ملاقاتِ حُر
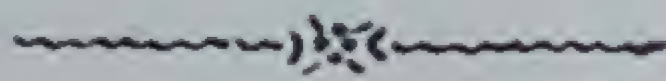
ذیل کے بندوں میں نقطۂ انتخاب کی کوئی خاص خوبی نہیں ہے۔ لیکن میر ضمیر کے قدامت عہد اور اس ماحول کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ اُس عہد میں مرثیہ کوئی معیاری درجہ نہ رکھتا تھا۔ زبان موجودہ زمانے کی "کوثر سے دُھلی ہوئی" زبان نہ تھی۔ متروکات زبان بہت کم تھے۔ مرثیہ عموماً حصولِ ثواب کی غرض سے لکھا پڑھا جاتا تھا۔ مرثیہ میں شاعرانہ ہنگامے انیسی دور کی یادگار ہیں۔ قدما کو اس قصور پر کہ وہ قدما ہیں اور ترقی یافتہ زمانے کی خصوصیّات نہیں رکھتے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ اسی خیال کو مدِّ نظر رکھ کر ذیل کے بند انتخاب میں لئے جا سکتے ہیں۔ ان میں سے کچھ بند صرف تسلسل بیان کی غرض سے لئے گئے ہیں۔

شہ نے سفرِ عراق کو کعبہ سے جب کیا — ابن زیاد[1] نے وہیں حُر کو طلب کیا
اور اُسکو سرگروہِ سپاہِ عرب کیا — خلوت میں بیٹھکر یہ کلام اُسنے تب کیا

---

[1] اس کا نام عبداللہ تھا۔ والی کوفہ ⁂

دیکھ اور سمت کو نہ روانہ وہ شاہ[1] ہو
تو سدِ راہ سبطِ[2] رسالت پناہ ہو

حُر نے چُنے ہزار سوارانِ نیزہ دار
ایک ایک غرق لوہے میں ایک ایک شہسوار
جنگ آزمودہ رونقِ میدانِ کارزار
برقِ جہندہ تھے تہِ ران انکے راہوار
ہر چند سب ہزار جواں تھے شمار میں
ایک ایک پر چھٹا ہوُا دو دو ہزار میں

حُر وقتِ صبح دوسرے دن شہر سے چلا
لیتا نشان لشکرِ شبّیر[3] بر ملا
وقتِ زوال آیا جو نزدیک کربلا
لوہا بدن پہ گرمیٔ خورشید سے جلا
شدّت جو تشنگی کی ہوئی خاص و عام پہ
دوپہر کو مقام کیا اک مقام پہ

جویائے آب لشکرِ حُر خوب سا ہوُا
چاہا بہت ملا نہ نشاں بحر و چاہ کا
خشکی میں مارے پیاس کے جی ڈوبنے[4] لگا
قطرہ ہر ایک کو دُرِ نایاب ہو گیا
راکب جو انکے تھک گئے سب دیکھ بھال کے
گھوڑے بھی ہانپتے تھے زبانیں نکال کے

فوجِ حسینؑ کا بھی اسی دن ہوُا ورود
ناگہ سپاہ کوفہ کے نیزے ہوُئے نمود
شہ کے رفیق نے کہی تکبیر پڑھ[5] درود
کہنے لگا تب اُس سے وہ کانِ سخا و جود

---

[1] مراد امام حسینؑ ہیں [2] اولاد [3] امام حسینؑ کا دوسرا نام
[4] جی ڈوبنا - دل کی کمزوری محسوس کرنا ۔
[5] درود پڑھ کر پرانی زبان ہے ۔

ہر چند ذکر حق تجھے لازم مدام ہے
تکبیر کا پتا تو یہاں کیا مقام ہے

عرض اُس رفیق شاہ نے کی ہاتھ باندھکر کوفہ رہا قریب کہ نخل آتے ہیں نظر
اُس گرم رو نے سینے سے اک آہ سرد بھر فرمایا بھائی تجھکو مفصل نہیں خبر
نرغے میں اپنو آن گھرے[1] ہیں سواروں کے
نیزے یہ سر بلند ہیں ان نیزہ داروں کے

اِتنے میں حُر نے آ مع لشکر کیا سلام لیکن تمام مضطرب الحال و تشنہ کام
دیکر جواب لطف سے شہ نے کیا کلام تم لوگ پیاس ہو کیوں اسقدر تمام
حُر نے کہا کہ یاں کوئی چشمہ نہ چاہ ہے
اور تشنگی سے حال سبھوں کا تباہ ہے

حضرت نے اپنی فوج کی جانب کو مُنہ پھرا سقائے[2] اہل بیت کو بُلوا کے یوں کہا
مشکیزہائے آپ کو لاؤ تو جلد جا اُونٹوں پہ مشکیں ہوئیں تو اُونٹوں کو دو بٹھا
حُر کی تمام فوج میں اب قحطِ آب ہے
پانی پلاؤ جلد کہ کارِ ثواب ہے

عبّاسؑ نے یہ عرض کی اے شاہ بحر و بر یاں پانی دُور دُور تک آتا نہیں نظر
حضرت کے چھوٹے چھوٹے جو ہیں دختر و پسر پانی بغیر جائینگے اِس دھوپ میں وہ مر
مشکیزہ ہائے آب نہ پھر ہاتھ آئینگے
انکو پلا دیا تو انہیں کیا پلائینگے

---

[1] آگھرے ہیں۔ پُرانی زبان ہے۔ [2] حضرت عباسؑ سے مراد ہے۔

امام حسینؑ حضرت عباسؑ سے فرماتے ہیں :-

گو جانتا ہوں ہیں مرے ہمراہ شیرخوار ہوتی ہے پیاس موسم گرما میں بیشمار
لیکن کفیلِ حال ہے ہر وقت کردگار قسمت میں تشنگی ہے تو کیا اپنا اختیار
اک دن خدا کی راہ میں سب گھر لٹائینگے
ہیں ہم تو وہ کہ چشمۂ کوثر[1] لٹائینگے

امام حسینؑ کے حکم سے لشکر حُر کو پانی پلایا گیا - پھر امام حسینؑ نے حُر سے دریافت فرمایا کہ تم کیا ارادہ رکھتے ہو - یہ سامانِ جنگ کس لئے ساتھ لئے پھرتے ہو - حُر نے جواب میں عرض کیا کہ مجھے حاکم کوفہ نے حکم دیا ہے کہ آپ کو کوفہ لے چلوں اور اگر وہاں تشریف لے جانا نہ چاہیں تو آپ کو کربلا کے میدان میں روک لوُں -

انسب یہی ہے کوفہ کو اب چلئے یا امامؑ منظور یہ نہیں تو یہیں کیجئے مقام
واللہ تم امام ہو ہم سب کے لاکلام مجبور حکم حاکم کوفہ سے ہے غلام
منظور جنگ ہے نہ مجھے کشت و خون ہے
پھرنا پر آپ کا مرے حق میں نہ بوُن ہے

حرُ کے اصرار کو دیکھ کر ہمراہیان امام حسینؑ بگڑ جاتے ہیں مگر امام حسینؑ انہیں یہ کہہ کر روک دیتے ہیں :-

---

[1] روایت ہے کہ اہل بیت حوض کوثر (بہشت کی ایک نہر) پر نیک بندوں کو پانی پلائینگے ۔

بہتر یہی ہے جنگ میں جتنی درنگ ہو
بھائی مری طرف سے نہ آغازِ جنگ ہو

اکبرؑ بھی اور قاسمؑ و عباسؑ[۲] نامور — تھے ایستادہ محملوں کے گرد یکدگر
حُر کی بھی فوج مستعدِ جنگ تھی ادھر — پرچم اڑا دیے تھے نشانوں کے کھول کر
تھوڑی سی فوج سبطِ محمدؐ کی جان کے
نزدیک آ کھڑی ہوئی نیزوں کو تان کے

گھوڑے کو چھیڑ آگے بڑھے شاہِ خوش صفات — حُر نے بھی ڈالا بے ادبانہ عناں پہ ہات
کی عرض اسطرح سے کہ اے شاہِ نیک ذات — گھوڑا بڑھائیگا تو بہتر نہیں ہے بات
حُر سے کہا امام نے چیں بر جبین ہو
جا غم میں تیرے ماں تری ماتم نشین ہو

سبطِ نبیؐ نے مادرِ حُر کا لیا جو نام — فرطِ غضب سے حُر کا بدن کانپ اٹھا تمام
کی عرض بس کچھ اور نہ کہئیگا یا امام! — اسوقت میں نے آپکو رکھا ہے تھام تھام
تم نے بُرا کہا میں تمہیں کیا بُرا کہوں
غیر از درود فاطمہؑ[۱] کے حق میں کیا کہوں

آتا زباں پہ جسکی مری ماں کا نام گر — یا سبطِ مصطفےٰؐ[۲] میں نہ رکھتا بدن پہ سر
اور جائے دم زدن نہیں کچھ اس مقام پر — البتہ ہے عذاب جہنم کا مجھ کو ڈر

---

[۱] پیغمبر اسلام علیہ السلام کی دختر نیک اختر کا نام ہے - امام حسینؑ انہی کے فرزند دلبند تھے ❖ کسی پر درود بھیجنا - اسکے لئے خدا سے سلامتی طلب کرنا ❖

[۲] بمعنی مقدس - پیغمبر اسلام صلعم کا لقب ہے ❖

پر جب یہ گفتگو ہوئی حُر اور امامؑ سے
دونو طرف سے کھنچ گئیں تیغیں نیام سے

زینبؑ نے جبکہ پردۂ محمل سے کی نگاہ — دیکھا کہ گرد بھائی کے ہے کثرتِ سپاہ
اور حُر کے ہاتھ میں ہے عنانِ سمندِ شاہ — بیٹوں سے بولیں حضرت زینبؑ بہ اشکؔ و آہ
واں فوج میں کھڑا ہوا زہرؑا[1] کا لال ہے
تم یاں کھڑے ہوئے ہو کدھر کا خیال ہے

یاں کیوں کھڑے ہوئے ہو وہاں جا کے ہو کھڑے — آئے ہو تم تو کر کے ارادے بڑے بڑے
ایسا نہ ہو یہ فوج مرے بھائی سے لڑے — پہلے تمہاری تیغ میں واری گئی[2] پڑے
بھائی کی زندگی ہو مری زندگی نہ ہو
اور تم بھی کام آؤ تو شرمندگی نہ ہو

حُرؑ کا مقابلہ

پنہاں زرہ میں ہوتی تھی اسطرح سے سناں — بجلی چمک کے ہوتی ہے جوں ابر میں نہاں
اُس نیزۂ سیاہ سے تھا سب کو بیم جاں — تھا اژدہائے موسیِ عمراںؑ[3] کی وہ زباں
دوڑا جو رکھ کے نیزے کو گھوڑے کے کان پر
کتنوں ہی کو اُٹھا لیا نوکِ سنان پر

۱؎ امام حسین کی والدہ حضرت فاطمہؑ کا لقب ہے ۲؎ میں واری گئی۔ میں تم پر قربان عورتوں کی زبان ہے ۳؎ اژدہائے موسیٰؑ عمراں - حضرت موسیٰؑ ابن عمران کا اژدہا - حضرت موسےٰؑ قوم بنی اسرائیل کے نبی تھے - فرعون والیِ مصر جو خدائی کا دعویدار تھا - اسنے حضرت موسےٰؑ کی مخالفت کی - ان دنوں جادو کا بہت زور تھا -

حضرت دلگیر لکھنوی

حُر نے پکڑلی باگ جو گھوڑے کی راہ میں
غصّے سے رعشہ پڑگیا اندامِ شاہ میں
کیا نورِ حق تھا حضرتِ زہرا کے ماہ میں
تاثیرِ عشق یہ ہوئی پہلی نگاہ میں
چار آنکھ شہ سے ہوتے ہی حُر موم دل ہُوا
ہاتھوں سے باگ چھوڑدی اور مُنفعل ہُوا

جب اُسنے باگ تھام کے گھوڑے کی چھوڑی
ہمراہیوں نے اسکے یہ بات اس سے تب کہی
منظور تجھکو شاہ سے شاید ہے آشتی
تو چاہتا ہے قتل نہ ہو دلبرِ علی[1]
بے کشت و خوں کے ہاتھ یہ اب پھر نہ آئیگا
اِس باگ چھوڑنے کا مزا تو اُٹھائیگا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱) فرعون نے اپنی سلطنت کے بڑے بڑے جادوگروں کو حضرت موسےٰؑ کے مقابلے کے لئے جمع کیا تھا۔ ان جادُوگروں نے جادو کے زور سے بہت سے اژدہا پیدا کر دئے۔ اُن اژدہاہوں نے حضرت موسٰےؑ کی جانب رُخ کیا۔ تو حضرت موسےؑ نے اپنی لاٹھی ہاتھ سے پھینک دی۔ وہ لاٹھی خدُا کی قدرت سے سب سے بڑا اژدہا بن گئی۔ اور یہ اژدہا اُن جادو کے بنائے ہوئے تمام اژدہاہوں پر غالب آگیا۔ اسپر ان جادُوگروں نے اعترافِ عجز کرکے کفر سے توبہ کرلی مگر فرعون بدستور سرکش بنا رہا اور آخرکار قہرِ خداوندی سے دریائے نیل میں لشکر سمیت غرق ہوگیا (حاشیہ صفحہ ۱۲) [1] دلبر۔ دوست ۔ دلبرِ علی سے مراد انکے صاحبزادے امام حسینؑ ہیں ❖

لکھا ہے خیمہ گاہ میں نھنے شاہِ کربلا جو ساحل فرات پہ اک بار غل ہوا
عباس کو بلا کے یہ شبیرؑ نے کہا اے بھائی جا کے دیکھو کہ یہ کیا ہے ماجرا

آکر کہا یہ چھپکے سے اُس نے امامؑ سے
لایا ہے فوج کین عمرِ سعدِ شام سے

یہ سُنکے شاہِ دین نے اکھڑوا لئے خیام خیمے وہاں کئے جو شہادت کا تھا مقام
لڑنے پہ مستعد ہوئے سب سالکانِ شام اور بند شاہِ دیں پہ کیا آب او طعام

فرطِ عطش سے شور تھا شہ کے عیال میں
دو روز کٹ گئے وہ جواب و سوال میں

عمر سعد اور حُر میں باہمی مکالمہ ہوا، عمر سعد حُر کو کبیدہ خاطر دیکھکر سبب دریافت کرتا ہے، اور حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کے قتل پر آمادہ کرتا ہے: حُر سخت جواب دے کر اپنے خیمہ میں واپس جاتے ہیں، برادر حُر سے گفتگو اسطرح ہو رہی ہے۔

بھائی سے بولا حُر نہیں جرأت کا تذکرا اے بھائی یاں ہے سامنا ایمان و کفر کا
مجھ سے مُصر ہوا عمر سعد بحیا کیا کیا کہوں میں جو عمر سعدؔ نے کہا

مجھ کو فریب دیتا تھا دُنیا کے چین پر
کہتا تھا مستعد ہو تو قتلِ حسینؑ پر

جی میں تو میرے آیا تھا تلوار کھینچکر اک ہاتھ چھوڑ دوں عمر فتنہ ساز پر
پھر دھیان آیا آپ بھی مارے پڑے اگر آقائے انس و جاں کو نہ مطلق ہوئی خبر

سلہ لشکرِ غنیم کا سپہ سالار

شہ کو رہا ملال بھی سر بھی جُدا ہُوا
بے توبہ گر جہاں سے اُٹھے لطف کیا ہُوا

حضرتِ خلیل لکھنوی

(شاعرانہ تعلّی)

ہے باغِ فصاحت میں شگفتہ سخن اپنا وصفِ حُرِ غازی میں ہو شیریں دہن اپنا
کھل جائے سرِ بزم جو رنگین چمن اپنا بلبل کو فراموش ہو یکدم وطن اپنا
نے خواہشِ خوبانِ چمن ایک نفس ہو
گلگشتِ گلستانِ مضامیں کی ہوس ہو

زورِ بیاں

اے طبع بپا لشکرِ مضموں کا نشاں ہو انداز و غا طرزِ مضامیں سے عیاں ہو
اے سیفِ زباں جوہرِ تیغِ دو زباں ہو کیفیتِ جنگِ حُرِ جانباز بیاں ہو
چاروں طرف اک برق چمکتی نظر آئے
تلوار بہادر کی چمکتی نظر آئے

نمودِ صبحِ قتل

لکھا ہے اس احوال کو یوں اہلِ سیر نے جب قتل کی مقتل میں لگی رات گذرنے
مغرب میں دھرا سُبحۂ انجم کو قمر نے والفجر کا آغاز کیا دورِ سحر نے

طاعتِ معبود

آوازِ اذاں سُنکے ہمکنے لگے تازی
اور قربِ شہنشاہ ہوئے جمع نمازی
پھر آگے امامت کو بڑھے شاہِ حجازی
تکبیر ادا کرنے لگے اکبرؑ غازی
ہر ایک امامت میں امامؑ دوسرا کی
مصروف ہُوا دِل سے عبادت میں خدا کی

نماز کے بعد آپ اپنے رفقا کو تیاریِ جنگ کا حکم دیتے ہیں۔

مُبالغہ

اللہ رے وہ پیاس کا عالم وُہ بیاباں
بلبل کی فغاں قمریوں کے نالۂ سوزاں
اشکالِ مصیبت تھے ہر اک سمت نمایاں
تھرّاتی تھی مقتل کی زمیں چرخ تھا لرزاں
اس غم میں کہ بربادی تھی زہرا کے چمن کی
خورشید جہانتاب پہ چلمن تھی کرن کی

جنابِ امام فوجِ شام کے افسرِ اعلےٰ عمر ابنِ سعد کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔

جب مستعدِ جنگ ہوئی فوجِ سیہ کار
بس واردِ جنگاہ ہوئے سیّدِ ابرار
یوں فوج کی جانب گہر افشاں ہوئے یکبار
اے ناخلفِ[۱] سعد بد انجام و بد اطوار
اِس جاہ پہ کیا خالقِ یکتا کو بھی بھُولا
کیا دولتِ دنیا پہ تو عقبیٰ کو بھی بھُولا

تو گو کبہ نحس تو میں ماہِ شرف ہوں
تو سنگدل اے شوم تو میں دُرِّ نجف ہوں
تو سعد کا ہے نحس، میں حیدرؑ کا خلف ہوں
باطل کی طرف تو ہے تو میں حق کی طرف ہوں

---

[۱] ناخلف سعد - سعد کے ناخلف بیٹے ؛

پابند ہوں ہر حال میں میں حق کی رضا کا
تو منکرِ حق ہے میں رضا جو ہوں خدا کا

مکالمۂ حق و باطل

تو شام ہے اے نحس تو میں ہوں سحرِ عید تو ظلمتِ شب ہے میں امامت کا ہوں خورشید
تو یاس کی صورت میں رخِ قبلۂ امید تو شکل فنا ہے تو میں ہوں زندۂ جاوید

تو لائق نفرت، میں سزاوارِ ثنا ہوں
تو آتشِ نخوت ہے تو میں سیلِ فنا ہوں

ابن سعد اسطرح جواب دیتا ہے۔

اب حکم میں حاکم کے نہ تاخیر کرینگے
بے جنگ کئے شام کی جانب نہ پھرینگے

حضرت امام خیمہ کی جانب واپس آتے ہیں۔ ابن سعد لشکر کو آمادہ جنگ کرتا ہے۔ حُر یہ حالت دیکھکر سخت متردّد ہیں اور اپنے بھائی سے کہہ رہے ہیں۔

اسوقت لگا کانپنے حُر خانۂ زیں پر بھائی نے کہا کیسی یہ لغزش ہے برادر
بیٹے نے کہا خیر ہے کیوں حال ہے ابتر خادم نے قدم تھام لیا غول سے بڑھکر

حُر کہنے لگا بھائی عجب ضیق میں جاں ہے
اب اپنا ٹھکانا نہ یہاں ہے نہ وہاں ہے

جذبۂ ایمانی

سوچو تو کہ یہ ظلم اور اولادِ پیمبر پیاسا ہے وہ شخص جو ہو ساقیِ کوثر

اور لُطف کہ یہ سب کلمہ گو ہیں بداختر سیّد پہ ستم کرتے ہیں دُنیا کی ہوس پر

یَں تو کبھی ان سب کی رفاقت نہ کرونگا
مولا کے سوا غیر کی طاعت نہ کرونگا

پھر کہتے ہیں کہ

اب فرقۂ ناری سے جُدا ہوجئے بھائی
بس چل کے شہِ دیں پہ فدا ہوجیے بھائی

حُر، اسکا بیٹا، بھائی، غلام سب حضرت امام حسینؑ کا ساتھ دینے پر متفق ہو گئے، حُر اور عمر سعد میں مکالمہ ہوتا ہے۔ حُر سے انکے بھائی حضرت امام کی خدمت میں چلنے کے لئے کہتے ہیں -

تقریر برادر پہ کہا حُر نے بہت خُوب خوفِ غضبِ حق ہے میاں صفِ مغضوب
ٹھہریں یہاں دم بھر یہ کہاں لکھے ہے مرغوب چلیئے طرفِ خیمۂ سلطانِ خوش اسلوب

کہتے ہوے یہ فوج کے دَل سے نکل آئے
تاروں کیطرح قیدِ زحل سے نکل آئے

واقعہ نگاری

ساعت نہیں گزری تھی کہ خیمہ میں حُر آیا سر بہرِ قدمبوسیِ شبّیرؑ جھکایا
خاکِ قدمِ پاک کو آنکھوں میں لگایا اور کہہ کے حضورِ شہِ عالمؑ یہ سُنایا

اے رحمتِ حق مجھ پہ عنایات و کرم ہو
خاطی ہوں خطا پوشی ہو اور لطفِ اتم ہو

حضرت امام حسینؑ حُر کی گذشتہ خطا کو کمال مہربانی سے معاف فرماتے ہیں۔

غم انگیز

خود مجھکو ندامت ہی پریشاں ہوں پریشاں　　ششدر ہوں کہ کسطرح کروں خدمت مہماں
کھانا ہے نہ پانی ہے میں ہوں مضطر و حیراں　　کس چیز سے دعوت کا تیرے میں کروں ساماں
کھانے کی جگہ آہ اِدھر فاقہ کشی ہے
واں لشکرِ اعدا میں مبارز طلبی ہے

رجز

ناگاہ بجا طبل میانِ سپہ شام　　نکلا صفِ بے پیر[1] سے اک نحس بد انجام
بولا بہ تکبّر طرفِ لشکر اسلام　　لیتے ہیں بہادر دمِ پیکار مِرا نام
انسان تو کیا، وقتِ وغا دیو کو ماروں
آجائے اگر سامنے تو گیو کو ماروں

فرمانے لگے دیکھ کے روداد یہ سرور　　ہاں غازیو تم میں سے کوئی جائے نکلکر
ارشاد پہ مولا کے یہ کہنے لگے اکبرؑ　　مرضی ہو تو مَیں جاؤں کہا شہ نے کہ بہتر
بے قتل کیے نحس کو اب چین نہ لینا
دم بھر اُسے میدان میں دم لینے نہ دینا

حُر چاہتے ہیں کہ پہلے انہیں اجازت وغا دی جائے۔ حضرتِ امام بمجبوری حُر کی درخواست قبول کرتے ہیں۔

جب شہ سے ملی حُر کو اجازت تو کئی بار　　آنکھوں میں لگا کر قدمِ سیّد ابرار

---

[1] بے پیر بمعنی گمراہ۔

خوش خوش مے صہبائے شہادت سے وہ سرشار   تسلیم بجا لا کے سوئے عرصۂ پیکار
گھوڑے کو اڑاتا ہوا مردانہ ور آیا
روباہ سے لڑنے کے لئے شیر نر آیا

حُر میدان مقابلہ میں جا کر حریف کی یاوہ گوی کا جواب دیتے ہیں۔ حریف حملہ کرتا ہے۔ حُر کمال سپہگری کا ثبوت دیتے ہیں۔

انداز بیاں

مرکب نے تو پسپا کیا مرکب کو رپٹ کر   اور کفر نے ایماں سے کنارہ کیا ہٹ کر
صرصر نے بھی لی خوف سے راہ اپنی سمٹ کر   دی ضرب سر نحس پہ پھر حُر نے جھپٹ کر
جیوں قالب ظالم سے لگی رُوح نکلنے
تیزی سے گرفتار کیا اسکو اجل نے

غم انگیز

ناگاہ گھرا نرغۂ اعدا میں وہ دیندار   پھر دشتِ وغا میں ہوئی تیز آتش پیکار
نخوت سے شقاوت سے ہر اک ظالم بدکار   غازی پہ لگانے لگا ہر سمت سے تلوار
یوں زخم شگفتہ تھے وفادار کے تن پر
جسطرح کھلے پھول ہوں لالے کے بدن پر
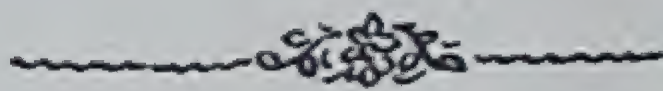
مرزا دبیر لکھنوی

طلوعِ سحر

جب سرنگوں ہوا علمِ کہکشانِ شب — خورشید کے نشاں نے مٹایا نشانِ شب
تیرِ شہاب سے ہوئی خالی کمانِ شب — تانی نہ پھر شعاعِ قمر نے سنانِ شب

آئی سحر جو زیورِ جنگی سنوار کے
سب نے سپر ستاروں کی رکھ دی اُتار کے

شمشیرِ مشرقی جو چڑھی چرخ پر شتاب — پھر تیغِ مغربی نے دکھائی نہ آب و تاب
تھا بسکہ گرم خنجرِ بیضائے آفتاب — باقی رہا نہ چشمۂ نیلوفری میں آب

محتاج ماہتاب ہوا آب و تاب کا
باغِ جہاں میں پھول کھلا آفتاب کا

تھی جوشِ خوں کے عارضہ میں مبتلا شفق — فصّادِ صبح آیا لیے نشتر و طبق
کھولی شفق کی فصد تو رنگِ افق تھا فق — گل رنگ تھا صحیفۂ گردوں ورق ورق

خونِ شفق میں سرخ قضا نے قلم کیا
اور خط و خالِ روزِ شہادت قلم کیا

صرفِ نگاہداشت ہوا شاہ خوش نہاد — دفتر کشا نے کھول دیا دفترِ مراد
چہرے پہ صبح کے جو کیا آبِ زر سے صاد — کافور ہو گئی شب تاریک کی مداد[1]

---

[1] سیاہی

رتبہ سے سرفراز کیا آفتاب کو
عہدہ ہراولی کا دیا آفتاب کو
طغرا نویس روز نے پھر جسقدر لکھا   وہ حرف حرف موجب حکم قدر لکھا
خورشید کو ہراول فوج سحر لکھا   حُر کو ہراول شہِ[۱] والا گہر لکھا
چہرہ تو دو ہراولوں کا ایک جا ہُوا
پر حُر کا نام مہر سے روشن سوا ہُوا
چاروں طرف تھا بسکہ ہجوم سپاہ شام   گویا سیاہ پوش تھا آب۔ واں تمام
ماتم یہ تھا کہ مالکِ کوثر[۲] ہے تشنہ کام   بالکل اُلٹ دیے تھے حبابوں نے اپنے جام
مُنہ پر طمانچے مارتا تھا دستِ موج سے
دریا جو دُور پیاس میں تھا شہ کی فوج سے

ابن سعد نے اپنے جاسوسوں سے لشکرِ امام حسینؑ کے حالات پوچھے اور ساتھ ہی یہ بھی کہ پچھلے پہر رات کو امام حسینؑ کے خیموں میں شور فریاد کیوں برپا تھا؟ جاسوس بتا رہا ہے کہ اسوقت امام حسینؑ حرم کی پریشان حالت سے مضطرب تھے - اور حرم کے اس سوال پر کہ صلح کب ہوگی؟ امام حسینؑ نے فرمایا تھا کہ :-

---

۱؎ شہِ والا گہر - عالی رتبہ بادشاہ - امام حسینؑ سے مراد ہے -
۲؎ مالک کوثر - امام حسینؑ سے مراد ہے ؂

فرماتے تھے حسینؑ کہ کل صلح ہوئے گی
لیکن وہ صُلح ہو گی کہ کُل خلق روئے گی

حضرت نے بیکسی سے کہا جبکہ یہ سخن ملکر گلے سے بھائی کے رونے لگی بہن
پہنائے اپنے بیٹوں کو چھوٹے سے دو کفن زینب ہوئی جوانیِ اکبرؑ[1] پہ نعرہ زن
غش آیا تین بار شہِ بے نظیر کو
بانو سے بخشوا[2] یا جب اکبرؑ نے شیر کو

کیفیّتِ اکبرؑ

اکبر کھڑے ہیں ساغرِ عرفاں پیئے ہُوئے دو چار ہم سنوں کو جلو میں لئے ہُوئے
دستِ قضا میں نقد جوانی دیئے ہوئے دِل میں خدا سے عہدِ شہادت کئے ہُوئے
نقشہ تھا اک نبی[3] کا اس افلاک کے تلے
اٹھارھویں برس میں چھپا خاک کے تلے

حُر حضرت امام حسینؑ کی طرف سے جنگ کرتے ہوئے لشکرِ غنیم کے نرغے سے مردانہ وار نکل کر کہتے ہیں۔

شیرِ[4] خدا کے شیر بھلا صید ہوتے ہیں
مشکلکشا کے بندے کہیں قید ہوتے ہیں

---

[1] امام حسینؑ کے صاحبزادے علی اکبرؑ [2] دودھ بخشوانا ہندوستان کی ایک رسم ہے شاعر نے اپنے نقطۂ نظر سے لکھا ہے [3] حضرت علی اکبر پیغمبر اسلام علیہ السلام کے ہم صورت تھے ۔
[4] مشکلکشا اور شیرِ خدا حضرت علیؑ کے القاب ہیں ۔

حُر میدان جنگ میں آکر کہتے ہیں۔

شانِ شکوہ آمدِ حُر پر کیا خیال — یہ دبدبہ یہ طنطنہ یہ جاہ یہ جلال
پڑھتا ہے وہ رجز وہ حضورِ صفِ قتال — یارو میں ہوں غلام شہنشاہِ خوشخصال
اُن سے جدا ہوں کفر کا جنکو مزا ملا
اُنسے ملا ہوں ملنے سے جنکے خدا ملا

ایک اور بند ملاحظہ ہو۔

دیتا ہوں اسپہ جان جو زہراؑ کی جان ہے — مہماں ہوں اسکا موت کا جو میہمان ہے
اسکی ہوں میں اماں جو کل کی اماں ہے — وہ جسپہ مہرباں ہو خدا مہربان ہے
اب دامن حسینؑ ہے اور میرا ہاتھ ہے
میں اسکے ساتھ ہوں کہ خدا جسکے ساتھ ہے

حُر عمر سے خطاب کرکے کہتے ہیں۔

انصاف کر کہ صاحبِ عزّ و شرف ہے کون
باطل کی سمت کون ہے حق کیطرف ہے کون

پھر حُر نے تیغِ فتح سے خالی کیا غلاف — اور کہکے یاحسینؑ ہوا عازمِ مصاف
ہیبت سے تھرتھرا گئے کہسار تا بکاف — خورشید برگِ بید صفت کانپتا تھا صاف
جنبش سوئے یسار جو قطبِ یمیں نے کی
سکتے میں چرخ آگئے گردش زمیں نے کی

عمر ابن سعد مقابلے میں آتا ہے۔

غصّہ سے برقِ تیغ کا اُسنے لگایا وار — خورشید پر کیا اثر برقِ بے مدار

حُر نے سپر پہ روک کے وہ تیغ آبدار تیغ اپنی تول کر کہا یا شاہ ذوالفقار[1]
چالاکی اسکو کہتے ہیں بس اتنی بات میں
یہ تیغ اسکے سر پہ وہ تیغ انکے ہات ہیں

حاضر شریک نام تھا اسکا جوان پسر آگر ہوا شریک پدر نیزہ تان کر
یاں نیزہ مارا اور چلا تیر سا اودھر للکارا حُر ٹھہر تو جوانمرد ہے اگر
رستے سے مثل طالع برگشتہ پھر پڑا
بس پھر پڑا کہ گھوڑے سے دو ہوکے گر پڑا

کرتی تھی تیغ حُر تو سر تیغ زن جدا سہمے ہوے تھے تیر سے ناوک فگن جدا
آ آکے تیغ و تیر دکھاتے تھے فن جدا مردم سے چشم چشم سے سر سر سے تن جدا
تھی قہر ضرب گرز سر بے شکوہ کو
کیا حُر نے ریزہ ریزہ کیا کوہ کو

اعدا حضور تیغ سے کیونکر کریں قرار شکل کمند تھی خم جوہر سے آشکار
یاں گل کھلایا واں ہوئی جاکر گلے کا ہار قبضہ میں تیغ حُر کے خزاں بھی تھی اور بہار

ظہورِ سحر

جسوقت شمس شمسۂ[2] برج فلک ہوا مشرق سے فرش نور کا مغرب تلک ہوا
شرمندہ ماہ دیکھکے اسکی جھلک ہوا عالم میں ذکر خالق جن و ملک ہوا

---

[1] حضرت علیؑ سے مراد ہے۔ ذوالفقار ان کی تلوار کا نام ہے۔ [2] بمعنی کلس،

شب کی روانگی تھی سحر کا ظہور تھا
ہر جا پہ روشنی تھی ہر اک جا پہ نور تھا

نقارۂ سحر کی کہیں تھی صدا بلند — تھا اک طرف کو نالۂ شبیرِ خدا بلند
خیموں میں تھی اذاں کی صدا جا بجا بلند — تھے سوئے حق حسینؑ کے دستِ دعا بلند
نورِ جبین شہ سے عجب آب و تاب تھی
پُر نور سجدہ گہ صفتِ آفتاب تھی

ہر با خدا کے وردِ زباں تھا خدا خدا — تھے مرغِ صبح مستعد ذکرِ کبریا
دیتے تھے بندگانِ الٰہی کو یہ صدا — جاگو نمازِ صبح پڑھو سو رہے ہو کیا
دیکھو صلوٰۃ قبلۂ اہل صلات کو
سجدہ میں اور رکوع میں کاٹا ہے رات کو

دھوتا تھا منہ کنارۂ دریا کوئی عدو — مشغول غسل نہر میں تھا کوئی زشت رُو
منظور رخت تن کی کسی کو تھی شست شو — بستر سے اُٹھ کے تھا کوئی آمادہ وضو
یاں پیاس سے حسینؑ کے اطفال روتے تھے
مُنہ وقتِ صبح اشکوں سے سادات دھوتے تھے

آنکھوں کو مل رہا تھا کوئی خوابگاہ پر — بستر پہ اپنے باندھ رہا تھا کوئی کمر
شمشیر باندھتا تھا کوئی اور کوئی سپر — تقدیر کہہ رہی تھی یہ سامان دیکھ کر
سب خلق روئیگی شہِ دلگیر کے لئے
حربے یہ سب ہیں حضرت شبیرؑ کے لئے

شمر لعین بھی دل میں خوش تھا کہ اگر خدا نے چاہا تو آج میری

امیدوں کا دامن زر و جواہر سے مالا مال ہو جائیگا۔ حصولِ زر کے راستے میں ایمان مٹی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ میں ایمان کو کیا سمجھتا ہوں۔

دُنیا ملے وقار ملے شہ کا سر ملے

دُنیا کے ماتم کی مجھے پروا نہیں۔ عورتوں کے بین و بکا مجھے گداز نہیں کر سکتے ؎

ماتم ہو خیمہ گہ میں مرے گھر میں عید ہو
سادات کی شکست ہو فتح یزید ہو

وُہ لوگ نامرد اور بزدل ہیں جو ہر وقت خیالی وسوسوں میں گھرے رہتے ہیں اور کچھ کر نہیں سکتے

دیکھوں تو آج فاطمہ کیا میرا کرتی ہے

ناگاہ ابن سعد نے فرمان یہ دیا — اک غول جا کے گھیرے کنارہ فرات کا
یہ کہہ کے کچھ جوانوں کو پھر منتخب کیا — دریا پہ جا بجا انہیں ٹھہلا کے یوں کہا

برگشتہ تم سے سبطِ رسالت مآب ہے
پیاسا ہی اسکا حلق جو کاٹو ثواب ہے

سُن سُنکے شورِ گفتگوئے لشکرِ جفا — بیدار مثلِ طالعِ بیدار حُر ہُوا
بستر سے کلمہ پڑھکے اٹھا صاحبِ ولا — بیتاب بیحواس و پریشان و غم زدا

آنکھوں میں اشک سرخ تھے دل دردناک تھا
مانندِ زخمِ تازہ گریبان چاک تھا

حُر سے کہا یہ حُر کے پسر نے بچشمِ تر	روتے اُٹھے ہو خواب سے کیوں خیر ہے پدر
کیا درد ہے جو ہاتھ سے تھامے ہو تم جگر	آہستہ تب پسر سے یہ بولا وہ نوحہ گر

رعشہ مرے بدن میں نہ کیوں اسقدر پڑے
ہر تنگے خواب میں ہیں پیمبر نظر پڑے

خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ آنحضرت خیمہ کے گرد پھر رہے ہیں اور بار بار کہتے ہیں۔

افسوس "صبح دیکھئے ہونا ہے ظلم کیا"

پھر حُر بولا:-

مجھ سے تو فاطمہؑ کو رُلایا نہ جائیگا	ایمان کا چراغ بجھایا نہ جائیگا
مجھ سے نبیؐ کا نام مٹایا نہ جائیگا	یہ خیمۂ رسول جلایا نہ جائیگا

خالق کرے کہ ہاتھ سے میرے وہ کام ہو
میں ہوں نہ ہوں جہاں میں مگر میرا نام ہو

تھا حُر تو اس خیال میں لشکر کے درمیاں	اور خیمۂ حسینؑ میں اک حشر تھا عیاں
حیرت سے شاہ دیکھتے تھے سوئے آسماں	رو کر زبانِ یاس سے کرتے تھے یہ بیاں

جینے میں لاکھ رنج ہیں مرنا ہی خوب ہے
خورشید کا طلوع ہے اپنا غروبؔ ہے

حضرت زینب نے تلاوتِ قرآن کے لئے کہا امام نے فرمایا اچھّا جانماز اُٹھالاؤ۔ انسان کو مصیبت میں یادِ الٰہی سے کام لینا چاہیئے حضرت زینبؑ قرآن مجید اور جانماز لاکر دیتی ہیں۔

تلاوتِ قرآن کے بعد

؎ غروب سے مراد خاتمہ ہے۔

حضرتِ امام حسینؑ حرم سے روانہ ہوتے ہیں۔ خیمہ بے نور ہو جاتا ہے۔ رُفقا کے پاس پہنچتے ہیں جو شاندار استقبال کرتے ہیں۔ چنانچہ شاعر اُسوقت کی تصویر اس طرح کھینچتا ہے ؎

خورشید برج دیں کا جو آیا نظر جمال
تسلیم کو جھکے رُفقا صورتِ ہلال

فراش نور کو یہ ہوا حکم ایکبار — ہاں بارگاہ شاہ دو عالم کو تو سنوار
پہنچا صبا کو حکم اُڑانا نہ اب غبار — صحرا ہوا شمیم تنِ شہ سے لالہ زار
ہر ذرّہ گل ہوا رُخِ گلگوں شاہ سے
چُنتی تھی پھول موج صبا قتل گاہ سے

کیا صف کشی فوج خدا کا کہوں میں حال — قربان ہو رہے تھے وہاں شوکت و جلال
عالم تھا حُسن کا علم شاہ پر کمال — وہ پرچم سیاہ وہ داماں لال لال
شہرہ علم کا تھا فلکِ نیل پوش پر
عباسؑ نے رکھا تھا اسے اپنے دوش پر

جلوے سے اسکے صاعقۂ ابر بیقرار — پنجے سے اسکے پنجۂ خورشید رعشہ دار
زیر علم کھڑے تھے جوانانِ نامدار — کہتے تھے ہم حسینؑ کے الطاف پر نثار
سائے نے اس علم کے معزز کیا ہمیں
دُنیا میں حق نے سایۂ طوبیٰ دیا ہمیں

سب بھوکے پیاسے حلقۂ گرداب کی مثال — حلقہ کئے تھے شہ پہ بصد شوکت و جلال
تھا بیچ میں وہ ابرِ کرم فاطمہؑ کا لال — پر اسطرف کو تھا عمر سعد کا یہ حال

چترِ زری لگا تھا سرِ پُر غرور پر
یاں ظلِّ[1] حق تھا فرقِ امامِ غیور پر

تقسیم فوجِ ظلم کو کرتا تھا وہ شریر
اسپ و سلاح و خلعتِ زریں کمان و تیر
کہتا تھا ایک ایک سے ہاں آجواں پیر
ہے اُسکا سامنا جو مدینے کا ہے امیر
کاٹو شتاب لوٹ لو گلشن بتولؑ کا
سر لاکے جلد دو مجھے سبطِ رسولؐ کا

اسباب جنگ بانٹ رہا تھا وہ بے حیا
یاں دم بخود کھڑے تھے شہنشاہ کربلا
کہتے تھے مسکرا کے زہے قدرتِ خدا
صد حیف اپنی فوج سے شرمندہ میں رہا
ناچارگی ہے سبطِ رسالت پناہ کو
پانی بھی ہم پلا نہیں سکتے سپاہ کو

ناگاہ طبل جنگ بجے فوج میں اُدھر
پڑنے لگے خدنگ سپاہِ حسینؑ پر
تب بیقرار ہو کے چلا حُرّ نامور
کہتا تھا ہر گھڑی وہ کلیجے کو تھام کر
زخمی کہیں نہ بادشہ نامدار[2] ہوں
یہ تیر فاطمہؑ کے جگر سے نہ پار ہوں

اسوقت ابن سعد پہ یہ حال کھل گیا
دوزخ سے حُر بہشت کو جاتا ہے برملا
بولا یہ شامیوں سے کھڑے دیکھتے ہو کیا
جاتا ہے شہ کی سمت کو حُر کاٹ لو گلا
افسوس تیر پڑنے لگے اُس دلیر پر
روباہوں نے ہجوم کیا آکے شیر پر

---

[1] ظلِ حق - خدا کا سایہ [2] بادشہِ نامدار، یعنی حضرت امام حسینؑ ۔

اسکے بعد حُر دشمنوں کے نرغے سے آزاد ہو جاتا ہے۔

اور گھوڑا اُڑا کر حضرت امام حسینؑ کے پاس پہنچ جاتا ہے۔

گھوڑے سے اپنے کو دپڑا پھر تو وہ حرِّی پٹکے سے ہاتھ باندھکے گردن خمیدہ کی

آیا پکارتا ہُوا شبیرؑ کو یہی مائیم پُر گناہ تو دریاے رحمتی

تقصیر بخشد تجبے مجھ دل دو نیم کی

مولا تجھے قسم ہے غفور الرحیم کی

مشکلکشا کے لال نے یہ بات جو سُنی پھیلا کے ہاتھ دوڑے سوئے حُر خوشی خوشی

لپٹا لیا گلے سے دُعا خیریت کی دی پھر حُر کے ہاتھ کھول کے بولے کہ اے حرّی

کیسا گناہ کیسی خطا کیا خیال ہے

احسانمند تیرا پیمبرؐ کا لال ہے

اس کے بعد حُر حضرت امام حسینؑ سے لڑائی کی اجازت طلب کرتے ہیں۔ امام پہلے تو اجازت نہیں دیتے اور یہ کہکر ٹالدیتے ہیں کہ تم ہمارے میہمان ہو ہم تمہیں اتنی جلدی لشکرِ غنیم میں نہیں بھیج سکتے۔ حُر اصرار کرتا ہے تو آپ مان جاتے ہیں۔ اجازت پاتے ہی۔

حُر غنیم کے لشکر میں پہنچ جاتا ہے اِسوقت شاعر کہتا ہے کہ ؎

ناوک زنی ہوئی جو سوار ان شام سے

حُر نے بھی تیغ تیز کو کھینچا نیام سے

اور دشمن کی صفوں کو اُلٹ دیا۔ کوئی غیبی طاقت گویا یہ کہہ رہی تھی ؎

کر فتح اے رفیق حسینؑ اس لڑائی کو
فوجِ خدا کا زور دکھا دے خدائی کو

حر کی آتش فشاں تیغ سے لشکرِ اشرار جل گیا۔

جا پہنچی آگ جب سرِ نخلِ حیات فوج
میدان میں نہ جم سکے پائے ثبات فوج

حُر کی تلوار کی تعریف میں شاعر کہتا ہے کہ

اللہ رے خوف برّشِ شمشیر شعلہ ور
مَس ہو گئی وہ جسمِ زرہ پوش سے اگر
روکے جو ضربِ تیغ کہاں اسمیں تاب تھی
مانند موج آب زرہ آب آب تھی

مگر آخر حُر زخمی ہو کر شہید ہوئے۔ حضرت امام حسینؑ ان کی لاش کو حرم میں اُٹھا لاتے ہیں۔

شہ نے لِٹائی لاش قریبِ حرم مرا — تب حُر نے آنکھ کھول کے شبیرؑ سے کہا
کیوں لائے مجھکو گود میں یا شاہ کربلا — ادنیٰ غلام ہوں یہ نہ تھا مرتبہ مرا
میں خانہ زاد ہوں پسرِ بوترابؑ کا
کافی تھا میری لاش پہ آنا جناب کا

شہ نے کہا یہ حُر سے نہ کر مجھ کو شرمسار — بیکس ہوں بیوطن ہوں نہیں ہے کچھ اختیار
افسوس ہے بنا نہ سکا میں ترا مزار — مرتا ہے تشنہ لب ہیں تری پیاس پر نثار

---

۵۱ "بوتراب" لقب ہے حضرت علی کرم اللہ وجہُ کا۔

اے حُر تو میرے واسطے رن میں فدا ہُوا
مَیں نے جو تیری لاش اُٹھائی تو کیا ہُوا

(۳)
صبح کربلا

گلگونۂ[1] شفق جو مَلا حُورِ صبحؐ نے
اسپندِ[2] مشکِ شب کو کیا نورِ صُبح نے
گرمی دکھائی روشنیٔ طُورِ صُبح نے
ٹھنڈے[3] چراغ کر دیے کافورِ صُبح نے

لیلٰیٔ[4] شب کے حُسن کی دولت جو لُٹ گئی
افشاں[5] جبیں سے نجمِ درخشاں کی چھُٹ گئی

---

[1] طلوع آفتاب سے پہلے مشرق کی جانب افق پر شفق کی سرخی نظر آئی۔
[2] اسپند۔ سیاہ دانے جو آگ پر رکھنے سے چٹخ جاتے ہیں۔
مشکِ شب۔ رات جو مشک کی طرح سیاہ تھی۔ مطلب یہ ہے کہ روشنیٔ سحر نے سیاہ رات کو غائب کر دیا [3] صبح کے وقت چراغ گل کر دئے جاتے ہیں۔ کافورِ صبح۔ صبح جو کافور کی طرح سفید تھی [4] لیلیٰ۔ قیس کی محبوبہ جو سیاہ رنگ کی تھی۔ لیلیٔ شب۔ وہ رات جو لیلیٰ کی طرح سیاہ اور خوبصورت تھی۔ مطلب یہ ہے کہ رات ختم ہوئی [5] افشاں۔ ابرک کے ریزے جو عورتیں سنگھارنے کے وقت اپنی مانگ اور ماتھے پر چنتی ہیں۔
جبیں۔ پیشانی۔ نجمِ درخشاں۔ چمکتے تارے۔ سیاہ رات میں چمکتے ہوئے تارے گویا خوبصورت رات نے ماتھے پر افشاں چُنی تھی، صبح کے آتے ہی وہ افشاں رات کی پیشانی سے چھُٹ گئی۔ یعنی ستارے ڈوب گئے ۔

آیا جو تیغِ روز[1] لئے شاہِ نیم روز — ماہی شکار و شیر سوار و جہاں فروز
باندھے کمر میں خنجرِ بیضائے[2] کینہ سوز — پھر دیو ہفت سر[3] ہوا صیدِ عقابِ روز
مہتاب لشکرِ شہِ خاور میں گھر گیا[4]
ارّہ شعاع کا سرِ انجم پہ پھر گیا[5]

آیا عروج پر شہِ گیتی ستانِ مہر — لی روز نے پناہ بزیرِ نشانِ مہر
پرچم کشا ہوا علمِ زر فشانِ مہر — اور لشکرِ شعاع نے تانی سنانِ مہر
نیزہ کرن[6] کا دیدۂ گردوں میں ڈال کر
مغرب[7] میں پھینکی رات کی پتلی نکال کر

زورِ بیان کی گرمی نے صبح کو دوپہر بنا دیا ہے۔ اوّل سے آخر تک تمام بند صبح کے صنعتی خاکے ہیں۔ فطرت کی جھلک تک نہیں نظر آتی۔ شاعر کی جانب سے اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ میدانِ قتال و جدال کی صبح عام صبح سے مختلف ہونی چاہیئے۔

---

[1] تیغِ روز مراد دن کی روشنی۔ شاہِ نیم روز۔ آفتاب،

[2] خنجرِ بیضا۔ چمکدار خنجر [3] دیو ہفت سر۔ مراد رات سے ہے۔

[4] چاند سورج کی روشنیوں کے ہجوم میں گھر گیا [5] سورج کی کرنوں کا ارّہ ستاروں کے سر پہ پھر گیا۔ یعنی ستارے غروب ہوئے اور سورج نکلا [6] آسمان پر سورج کی کرنوں کے پھیل جانے سے مراد ہے۔

[7] یعنی رات کی سیاہی مغرب کے دامن میں چھپ گئی۔

سلطانِ صبح نے رُخِ آفاق فق کیا　　واں رنگ فق کیا یہاں خونِ شفق کیا[1]
اور روز نے قمر کو الٹ کر رمق کیا　　باطل کو باطل اسنے کیا حق کو حق کیا
خورشیدِ صُبح کا کلِ دستار ہو گیا[2]
پھر تار تار جیبِ شب تار ہو گیا[3]

امام حسینؑ کے بہادر ہمراہیوں کی شجاعت کا نقشہ کھینچتے ہوئے بیان کرتے ہیں -

بہرِ زرہ وہ تیغوں کا جوہر اتار لیں　　شیرِ خدا سے داو دمِ گیر و دار لیں
بہرِ رکاب دیدۂ اسفندیار لیں[4]　　انکے غلام رستمِ دستاں کو مار لیں[5]
غالب بلند و پست پہ تھے دو جہائیں
گردوں کمند میں تھا زمیں تھی کماں میں

عمر ابن سعد سے امام حسینؑ کے آغاز گفتگو کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہتے ہیں -

قدرت کے گُل کھلے چمن کائنات میں
غنچے سے پھول جھڑنے لگے بات بات میں

---

[1] سورج سے دنیا کا چہرہ زرد ہو گیا - دنیا روشن ہو گئی [2] سورج صبح کی دستار کا پھول بن گیا [3] اندھیری رات کا گریباں تار تار ہو گیا - یعنی رات غائب ہو گئی [4] اسفندیار - قدیم زمانے میں فارس کا ایک عظیم الشان بادشاہ تھا - [5] رستم دستاں - ماژندران کا مشہور عالم پہلوان ؛

تلوار کی تعریف

بادل کی طرح[1] جوہرِ شمشیر جو چھائے　　سائے نے تڑپ کر دُہل رعد بجائے
ہر قطرۂ باراں کی طرح خاک پہ آئے　　جا گرم نہ کی تھی کہ وہیں خاک نے کھائے
کیا لال ہوا خون سے ہر کافرِ ترسا
یاقوت کا مینہ پارۂ الماس[2] سے برسا

یہ تیغِ رواں مغفرِ[3] آہن پہ نہ ٹھہری　　آہن پہ نہ ٹھہری سر و گردن پہ نہ ٹھہری
گردن پہ نہ ٹھہری کہیں جوشن پہ نہ ٹھہری　　جوشن پہ نہ ٹھہری تو یہ توسن پہ نہ ٹھہری
توسن پہ نہ ٹھہری تو وہ تھی تحت ثریٰ[4] میں
تھی تحت ثریٰ میں تو نہ تھا کچھ دوسرا[5] میں

تضمین[6] ہوئی فرد جو اس تیغ فنا کی　　پھر نثر بنی نظمِ صف اس اہلِ جفا کی
اور قطع رباعی[7] ہوئی دو دست و پا کی　　ہر بند کی اس تیغ نے تقطیع[8] جدا کی
گہ مطلعِ[9] ابرو سے گہے مقطعِ[10] لب سے
یہ مصرعِ شمشیر توارد[11] ہوا سب سے

---

[1] میدان جنگ کی فضا پر تلوار کی چمک سے چکا چوند پیدا ہو گئی تھی،

[2] پارۂ الماس - ہیرے کا ٹکڑا - مراد تلوار [3] کلاہ آہنی - خود،

[4] تا پاتال [5] دونو جہان [6] تضمین - مصرع میں گرہ لگانا [7] رُباعی - نظم کی ایک قسم جسمیں چار مصرعے ہوتے ہیں [8] تقطیع - شعر کے اجزا کو الگ کر کے بحر (وزن) کے اجزا کے مطابق کرنا [9] مطلع - پہلا شعر جس کے دونوں مصرعوں میں قافیہ ہو [10] مقطع - آخر کا شعر جس میں شاعر کا تخلص ہوتا ہے۔

میر انیس لکھنوی

طلوعِ سحر

طے کر چکا جو منزلِ شب کاروانِ صبح   ہونے لگا افق سے ہویدا نشانِ صبح
گردوں سے کوچ کرنے لگے اخترانِ صبح   ہر سو ہوئی بلند صدائے اذانِ صبح
پنہاں نظر سے روئے شبِ تار ہو گیا
عالم تمام مطلعِ انوار ہو گیا

خورشید نے جو رُخ سے اٹھایا نقابِ شب   در کھل گیا سحر کا ہوا بند بابِ شب
انجم کی فرد فرد سے لے کر حسابِ شب   دفتر کشائے صبح نے اُلٹی کتابِ شب
گردوں پہ رنگ چہرۂ مہتاب فق ہوا
سلطان غرب و شرق کا نظم و نسق ہوا

پہنچا جو مُہر مہر سے فرمانِ عزلِ شب   گردوں پہ عاملانِ سحر کا ہوا نصب
منشیِ آسمان مع دفتر ہوا طلب   بس جابجا سے اُٹھ گئی انجم کی فوج سب
تا صبح فرد فرد میں بیگانگی ہوئی
برخاست کی چراغوں کی پروانگی ہوئی[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵) ۵ توارد - ایک ہی مصرعہ یا مضمون کئی شاعروں کو سُوجھ جانا۔ پورے بند میں تلوار کی کاٹ کا نقشہ کھینچا گیا ہے ؞

(حاشیہ صفحہ ۳۶) [1] برخاست کی پروانگی ہوئی - اُٹھ جانے کا حکم ملا ؞

شبیہ میر ببر علی انیس اعلی اللہ مقامہ

یوں گلشنِ فلک سے ستارے ہوئے رواں　　چُن لے چمن سے پھولوں کو جس طرح باغباں
آئی بہار میں گلِ مہتاب پر خزاں　　مُرجھا گئے گِر گئے ثمر و شاخِ کہکشاں
دکھلائے طور بادِ سحر نے سُموم کے
پژمردہ ہو کے رہ گئے غنچے نجوم کے

چھُپنا وُہ ماہتاب کا وہ صُبح کا ظہور　　یادِ خدا میں زمزمہ پردازیِ طیُور
وہ رونق اور وہ سرد ہوا وہ فضا وہ نور　　خنکی ہو جس سے چشم کو اور قلب کو سرور
انساں زمیں پہ محو ملک آسماں پر
جاری تھا ذکرِ قدرتِ حق ہر زباں پر

وہ سُرخیِ شفق کی اُدھر چرخ پر بہار　　وہ بارور درخت وہ صحرا وہ سبزہ زار
شبنم کے وہ گلوں پہ گہر ہائے آبدار　　پھولوں سے سب بھرا ہوا دامانِ کوہسار
نافے کھُلے ہوئے وُہ گلوں کی شمیم کے
آتے تھے سرد سرد وہ جھونکے نسیم کے

صُبحِ کربلا

تھی دشتِ کربلا کی زمیں رشکِ آسماں　　تھا دُور دُور تک شبِ مہتاب کا سماں
چھٹکے ہوئے ستاروں کا ذرّوں پہ تھا گماں　　نہرِ فرات[1] بیچ میں تھی مثلِ کہکشاں
ہر سبز جو درخت تھا وہ نخلِ طُور تھا
صحرا کے ہر نہال کا سایہ بھی نُور تھا

---

[1] وُہ نہر جس کے کنارے کربلا میں امام حسینؓ شہید ہوئے ۔

وہ سر بلند خیمۂ زنگاری امام ۔۔۔ جس میں خدا کے عرش کے تاروں کا تھا مقام
کم تھا نہ اسکا خانۂ کعبہ سے احترام ۔۔۔ قدسی[1] طواف کرنے کو آتے تھے صبح و شام
جلوہ تھا اسمیں برج امامت[2] کے ماہ کا
درباں تھا جبرئیل[3] اُسی بارگاہ کا

گیسوئے حور خلد کی ہمسر ہر اک طناب ۔۔۔ دریا تھا وہ تو گنبدِ گردوں تھا اک حباب
وہ شان وہ شکوہ وہ رفعت وہ آب و تاب ۔۔۔ شمسہ سے جس کے آنکھ چُراتا[4] تھا آفتاب
پڑھنا درود آکے ملایک کا ورد تھا
سایے کے بدلے نُور قناتوں کے گِرد تھا

وہ اوج اور وُہ قبۂ پر نور کی جھلک ۔۔۔ ضَو نور کی زمیں سے تھی آسماں تلک
دَب دَب کے سر جُھکاتا تھا بے چوبہ فلک[5] ۔۔۔ اُٹھ اُٹھ کے دیکھتے تھے اُسے عرش سے ملک
خوشبو سے ہر بشر کا معطّر دماغ تھا
وسعت سے اسکے صحن کا دل باغ باغ[6] تھا

اسکی زمین پاک کو تھا آسماں پہ ناز ۔۔۔ ساتوں فلک جُھکائے ہوئے تھے سرِ نیاز
طوبے[7] سے سر بلند تو کیواں[8] سے سرفراز ۔۔۔ اور بیچ میں وہ مسندِ شاہنشہِ حجاز[9]

---

[1] قدسی ۔ عالم ارواح کے پاکیزہ لوگ [2] برج امامت کے ماہ ۔ مراد امام حسینؑ سے ہے ۔
[3] وہ خاص فرشتہ جو خدا کے بھیجے ہوئے رسولوں پہ خدا کا پیغام لاتا ہے [4] آنکھ چُرانا ۔
خوف سے سامنے نہ ہونا [5] بے چوبہ فلک ۔ آسمان مراد ہے ۔ بے چوبہ ۔ بے ستون ۔
[6] دل باغ باغ تھا ۔ دل بہت خوش تھا [7] بہشت کے ایک درخت کا نام ہے ۔
[8] کیوان ۔ منزل تمر [9] شاہنشہ حجاز ۔ امام حسینؑ سے مراد ہے ۔

کرسی[1] میں یہ صفا نہ صباحت یہ عرش پر
دِل عرش کا بھی لوٹ گیا اسکے فرش پر

کربلا میں نمازِ فجر

حاضر درِ حضور پہ وُہ خاصگانِ رَب — ایک ایک جن میں فخرِ عجم زینتِ عرب
غربت زدہ و گرسنہ مظلوم تشنہ لب — سُنکر سحر کا شور اُٹھے بستروں سے سب
کہتے تھے ہائے جاکے کدھر جستجو کریں
پانی نہیں کہ قبلۂ عالم وضو کریں

نکلے حرم سے کرکے تیمّم امامِ پاک — سجّادے[2] لاکے سب نے بچھائے بروئے خاک
اکبرؑ نے دی اذاں جو بہ آوازِ دردناک — آنسو بھر آئے ہو گیا دل غم سے چاک چاک
آگے سبھوں کے شاہِ حجازی کھڑے ہوئے
پیچھے صفیں جماکے نمازی کھڑے ہوئے

آراستہ صفیں تھیں کہ قرآں کھلا ہُوا — بسم اللہ جیسے آگے ہو یوں تھا وُہ مقتدا
اور مقتدی[3] تھے سب عقبِ شاہِ کربلا — مصحف[4] کی جسطرح سے ہوں سطریں جدا جدا
جیسا امام ویسے ہی ابرار فوج تھی
ہر صف خدا کے نور کے دریا کی موج تھی

سیدھے کبھی الف کیطرح تھے وہ خوشخصال — جھک جاتے تھے رکوع[5] میں گاہے بشکل دال
خم ہو گئے سجود میں گہ صورتِ ہلال — پیشانیوں سے صاف عیاں نورِ ذوالجلال

---

[1] فلک ہفتم سے مراد ہے [2] سجّادہ - جانماز [3] مقتدی - امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے، مقتدی - امام [4] قرآن مجید [5] نماز میں جھکنا ÷

حق سے دُعا قنوت[1] میں کوثر کے جام کی
طاعت خدا کی تھی تو اطاعت امام کی

وُہ چاند سے سفید عمامے رخوں پہ نُور
دیکھے سے جنکے سیر کبھی ہو نہ چشم حُور
دیندار و حق پرست و حق آگاہ و باشعور
کمریں کَسے تھے جنگ پہ راحت دلوں سے دُور
لب پر درود اشکوں سے آنکھیں بھری ہوئیں
تلواریں سجدہ گاہوں کے آگے دھری ہوئیں

حُبِّ حسینؑ دل میں زبانوں پہ ذکرِ حق
نے فکر کچھ عیال کی نے مرگ کا قلق
دیندار ایسے پھر نہ ہوئے زیرِ نہ طبق[2]
خا کہ سب صحیفۂ ایمان کے تھے ورق
کس آفتِ عظیم میں ثابت قدم رہے
آقا کا دم بھرا کئے جبتک کہ دم رہے

یاں تھیں صفیں نماز جماعت کی وَاں اُدھر
باندھی تھی فوج کیں نے صف آرائی پر کمر
شکل ہلال چڑھتی تھیں تلواریں چرخ پر
نیزے بھی تیز ہوتے تھے اور خنجر و تبر
غل تھا کہ آج خون کا دریا بہائینگے
پیاسے نمازیوں کے گلے کاٹے جائینگے

غنیم کی تیر باری

گرمی کے دن تھے صحن میں تھے اہلبیت سب
دیکھے جو تیر آتے تو حالت ہوئی عجب
چلاّئیں بیبیاں کہ کدھر جائیں ہے غضب
چھپنے کو کوئی امن کا گوشہ نہیں ہے اب

---

[1] دُعا قنوت ۔ ایک دُعا ،

[2] نہ طبق ۔ نو آسمان ،

گھبرا کے ننھے بچّوں کو سب نے اُٹھا دیا
اصغرؑ کو ماں نے پیٹ کے نیچے چھپا لیا

بہن کی محبّت

بچّوں کو لیکے چھپنے لگے سب اِدھر اُدھر — چہروں سے رنگ اُڑ گئے تھرّا گئے جگر
گھبرا کے آئیں ڈیوڑھی پہ زینبؑ برہنہ سر — چلاتی تھی کوئی مرے بھائی کی لو خبر
شاید مسافروں پہ ستم بے سبب ہُوا
کس پر چلے یہ تیر ارے کیا غضب ہُوا

حضرت زینبؑ کی پریشانی

لوگو خبر تو لاؤ کدھر ہیں شہِ حجاز — دیکھو تو پڑھ چکے کہ نہیں پڑھ چکے نماز
ان تیروں سے بچائے انہیں ربِّ بےنیاز — اللہ مثلِ خضر کرے عمُر کو دراز
جیتے رہیں وہ میری قضا کا بہانہ ہو
بھائی کے بدلے سینۂ زینبؑ نشانہ ہو

جا کے کہے کوئی کہ سکینہؑ ہے بیقرار — اور چونک چونک پڑتا ہے اصغرؑ بھی بار بار
آتے ہیں تیر لشکرِ اعدا سے بیشمار — گھر میں وظیفہ آکے پڑھو تم پہ میں نثار
آئے نہ گر تو دھیان نہ پڑے کا لاؤنگی
خیمہ سے میں نکل کے سپر ہونے آؤنگی

یاں اہلِ بیت میں یہ تلاطم تھا اور وہاں — مصروف ذکرِ حق تھے شہنشاہ دوجہاں
اٹھکر صفِ نماز سے عباسؑ نوجواں — بس جا کھڑے ہوئے عقبِ شاہ انس و جاں

بھائی بھی تھے پناہِ شہِ بحر و بر بھی تھے'
تلوار بھی حسینؑ کی تھے اور سپر بھی تھے

مڑ کر اشارہ شاہ نے عبّاسؑ سے کیا   پیچھے کھڑے ہو کس لئے کیوں کیا ہے ماجرا
دستِ ادب کو جوڑ کے اُس شیر نے کہا   ہے خیریت حضور کریں طاعتِ خدا
خیمہ میں تہلکہ ہے حرم[1] غل مچاتے ہیں
پیاسوں پہ تیر لشکرِ اعدا چلاتے ہیں

عبّاسؑ سے یہ سُن کے اُٹھے قبلۂ اُمم   تسبیح جا نماز پہ رکھدی بچشمِ نم
رونق فزا ہوئے طرفِ خیمۂ حرم   ڈیوڑھی تک آئے ساتھ رفیقانِ ذی حشم
سب سے کہا کہ بہنوں سے رخصت کو جاتے ہیں
باندھو کمر وغا کے لئے۔ ہم بھی آتے ہیں

داخل ہوئے حرم میں جو حضرت بچشمِ تر   زینبؑ نے لیں بلائیں برادر کی دوڑ کر
رو کر کہا سکینہؑ نے تم نے نہ لی خبر   تیروں سے یاں خدا نے بچایا ہمیں پدر
لے جاکے ہم کو کونسی جاگہ[2] چھپاؤ گے
قربان ہو گئی کہیں اب تو نہ جاؤ گے

حضرت امام حسینؑ فرماتے ہیں کہ سب اہل شام ہمارے دشمن ہو گئے ہیں - یہ تیر شامی لشکر سے آ رہے ہیں - یہ سُن کر حضرتِ سکینہؑ بیتاب ہو جاتی ہیں -

---

[1] حرم سے مراد زنان خانہ ہے ؞
[2] جاگہ پُرانی زبان ہے بمعنی جگہ ؞

چھاتی سے تب لپٹ کے یہ بولی وہ دلربا ... میں صدقے جاؤں مجھکو تمہاری لگے بلا
اب پھر چلو وطن کی طرف تم پہ میں فدا ... شہ نے کہا کہیں نہیں امن و اماں کی جا

مظلوم ہیں غریب ہیں اور دردمند ہیں
پانی بھی ہم پہ بند ہے رستے بھی بند ہیں

حضرت زینب کی آہ وزاری

یہ کہہ کے سر پٹکنے لگی وہ اسیر غم ... چھاتی سے سر لگا کے یہ بولے شہِ امم
پیٹو نہ سر تمہیں سرِ شبیرؑ کی قسم ... یہ کیا غضب ہے جیتے ہیں زینب ابھی تو ہم

لاشے پہ میرے آہ و بکا کر کے روئیو
مر جائے جب حسینؑ تو جی بھر کے روئیو

مر جاؤ گی جو بھائی سے پہلے پٹک کے سر ... لیگا بتاؤ کون یتیموں کی پھر خبر
چھاتی پہ ہاتھ مار کے بولی وہ نوحہ گر ... مجھکو نہ موت آئیگی یا شاہ بحر و بر

ہر اک عزیز گنج شہیداں میں سوئے گا
بھیا کوئی جنازے پہ میرے نہ روئیگا

زندہ رہونگی آپ کے بعد اے شہِ زمن ... کیا بازوؤں میں کس کے بندھیگی مرے رسن
ہے ہے کہینگی بیبیاں جاوینگی جب وطن ... بھائی تو قتل ہو گیا جیتی رہی بہن

بھائی کو کھو کے آئی ہے اُجڑے مکان میں
ایسا نہ سخت جان کوئی ہوگا جہان میں

طفلی میں ماںؑ کے واسطے روئی بچھا کے صف ... بیٹھی پس جنازۂ شاہنشہِ نجف

ؑ یعنی اپنی والدہ حضرت فاطمہ کی وفات ؑ ماتم کیا ؞

حضرت زینب کو حضرت امام حسینؑ کے ساتھ غیر معمولی محبت تھی اس لئے اکثر خلاف شان جملے شدت محبت میں آپ کی زبان سے نکل جاتے ہیں۔ مثلاً "خیمہ سے میں نکل کے سپر ہونے آؤنگی" وغیرہ وغیرہ

شہ نے کہا کہ اے مری ہمشیر باوفا　　جو مصلحت کریم کی جو مرضیِ خدا
بھائی بہن کے سامنے مرتے نہیں ہیں کیا　　ہو جاتے ہیں جوان پسر باپ سے جدا
ہم کب گئے جہاں سے نبی و علی کے ساتھ
دنیا میں کون مرتا ہے بی بی کسی کے ساتھ

توڑا ہماری گود میں بھائی حسنؑ نے دم　　مرنا کچھ انکے باپ کے مرنے سے تھا نہ کم
انکی مفارقت کا ہمیں آج تک ہے غم　　ہوتا جو اختیار تو کیا مر نہ جاتے ہم
تڑپے بہت لحد پہ گریبان پھاڑ کے
آخر پھر آئے ان کو بقیعؑ میں گاڑ کے

فرماکے یہ امام پہننے لگے لباس　　پٹکے کے ساتھ پھرتی تھی زینب بھی آس پاس
تھے اہلِ بیت مضطر و حیران و بدحواس　　لب خشک رنگ زرد دلوں پر ہجوم یاس
شہ دیکھتے تھے انکو جو غم کی نگاہ سے
بچے بلکؑ کے لپٹتے تھے شاہ سے

۱؎ حضرت زینب کے بڑے بھائی امام حسنؑ کو کسی نے زہر دے دیا تھا۔
۲؎ اس سے مراد حضرت عباسؑ ہیں　۳؎ مکہ کا قبرستان،
۴؎ بلکنا - پھوٹ کر رونا ؎

صف باندھے بھائی بند کھڑے تھے جھکائے سر　　کوئی تو رشکِ مہر کوئی غیرتِ قمر
تن پر سجے سلاح کسے جنگ پر کمر　　گیسوئے پیچدار لٹکتے تھے دوش پر
مُنہ پھیر پھیر کر جو وہ میداں کو تکتے تھے
جن کے پسر تھے انکے کلیجے[1] دھڑکتے تھے

سب سے جدا تھی شوکتِ عباسؑ نوجواں　　قبضہ میں تیغ بر میں زرہ دوش پر کماں
حمزہؑ کا رُعب شوکتِ جعفرؑ علیؑ کی شاں　　رہ رہ کے دیکھتے تھے شہنشاہِ دوجہاں
شان و شکوہ ختم تھی اُس خوش نہاد پر
گویا کمر علیؑ نے کسی تھی جہاد پر

حضرت امام حسینؑ اپنا علَم بردار اپنے بھائی حضرت عباس کو بناتے ہیں یہ علَم حضرت علیؑ کی یادگار کے طور پر تھا۔ اس لئے ہر شخص اس عزت کو حاصل کرنا چاہتا تھا۔ امام حسینؑ حضرت عباسؑ کو علَم سپرد کرکے فرماتے ہیں۔

اس منصبِ بزرگ کا مختار ہے یہی　　جعفرؑ کے مرتبہ کا سزاوار ہے یہی
آلِ نبی کا مونس و غمخوار ہے یہی　　روزِ ازل سے میرا علمدار ہے یہی
بھائی بھی ہے جری بھی ہے اہلِ وفا بھی ہے
حکمِ علیؑ بھی ہے یہی حکمِ خدا بھی ہے

حضرتِ زینب کے صاحبزادے عونؑ و محمدؑ اس منصبِ بلند کے آرزومند نظر آتے ہیں تو حضرتِ زینبؑ انہیں سمجھاتی ہیں۔

---

[1] کلیجہ دھڑکنا۔ ڈر سے سینے میں دل کا حرکت کرنا ؀

مُنہ ماں کا دیکھنے لگے زینب کے گلعذار لیعنی کہ ہم ہیں جعفرؑ و حیدرؑ کے ورثہ دار
ماں نے کیا اشارہ کہ اس عزم کے نثار حکم امامِ دیں ہیں مجھے کیا ہے اختیار
چپکے کھڑے رہو نہیں جا کہ کلام کی
واجب ہر امر میں ہے اطاعت امام کی

قابل علم اٹھانے کے کب ہیں تمہارے سن دو روز سے ضعیف ہو آب و طعام بن
ظاہر ہے تم پہ رتبۂ سلطان انس و جن صدقے گئی نہ پاؤ گے پھر اسطرح کا دن
جعفرؑ کے ورثہ داروں میں تم لا کلام ہو
پر کیا شرف یہ کم ہے کہ شہ کے غلام ہو

یں آپ کہتی بھائی سے ہوتا جو کوئی اور عباسؑ کوئی اور ہے پیارو کرو تو غور
ہے تین دن سے بھائی پہ ظلم و جفا و جور شاید انھی سے صلح کا بن جائے کوئی طور
بچے ہو تم کو فکر ہے نام و نشان کی
مجھ کو پڑی ہے سبط پیمبرؐ کی جان کی

سمجھا کے دونوں بیٹوں کو اپنے بچشم نم لے آئیں ذو الفقار یداللہ اور علم
قبضہ کو اسکے شاہ نے چوما بدرد و غم شانِ علم کو دیکھ کے روئے شہِ اُمم
پنجہ کی تا بہ چرخِ چہارم ضیا گئی
بُوئے علیؑ علم کے پھریرے سے آ گئی

عباسؑ کو امام نے آگے کیا طلب نہوڑائے[1] سر حضور میں آئے بصد ادب
بھائی سے رو کے کہنے لگے شاہ تشنہ لب اِس عہدۂ جلیل کی تھے آرزو میں سب

[1] سر نہوڑانا - سر جھکانا ۔

یہ مرتبہ کسی کو مقدّر نے کم دیا
لو ہم نے اپنی فوج کا تم کو علم دیا

کی عرض اس جری نے قدم پر جھکا کے سر — بندہ پہ بچپنے سے عنایت کی ہے نظر
مشہور ہوں غلامِ شہنشاہِ بحر و بر — میں اور حاملِ علمِ سیّد البشر

ذرّہ پہ کی یہ مہر کہ خورشید کر دیا
دامن کو میرے دولتِ ایماں سے بھر دیا

کس مُنہ سے شکرِ بندہ نوازی کروں ادا — مدِّ نظر رہی ہے مری پرورش سدا
سب بادشاہ اس درِ دولت کے ہیں گدا — اے افتخارِ خلق دو عالم کے مقتدا

طوبےٰ سے اس نشان کا سایہ بلند ہے
اسوقت عرش سے مرا پایہ بلند ہے

فرطِ خوشی سے سر کو اٹھا کر وہ ذی وقار — ہمشیر کے قدم پہ گرا با صد افتخار
زینبؑ بلائیں لے کے یہ بولی کہ میں نثار — بھیّا[۱] خدا کے واسطے بھائی سے ہوشیار

ایذا ہو دھوپ سے نہ شہِ خوشخصال کو
رکھیو علم کے سایہ میں زہرا کے لال کو

گھر میں سلامت آئینگے جب سرورِ امم — تب دونگی تم کو تہنیتِ عہدۂ علم
ہاتھوں کو جوڑتی ہے یہ بہنا اسیرِ غم — کیجو صلاحِ صلح کہ لشکر ادھر ہے کم

تم سے بڑی امید ہے زہراؓ کی جائی[۲] کو
بھیّا تمہیں سے لیگی بہن اپنے بھائی کو

---

[۱] بھیّا - بہن، عورتوں کی زبان ہے۔ [۲] زہرا کی جائی - حضرت فاطمہؓ کی بیٹی ۞

عبّاسؑ بولے بھائی نہیں میں تو ہوں غلام　　سُن لیجیے گا جنگ میں جو کچھ کرونگا نام

بھر جائے دشمنوں سے جو رد لے زمیں تمام　　کیا مُنہ کوئی جو دیکھ سکے جانبِ امام

بچّے فدا ہیں جان فدا گھر نثار ہے

ہر موئے تن پہ شہ کے مرا سر نثار ہے

اتنے میں پاس آ گئے سکینہؑ نے یہ کہا　　چہرے کی لوُں بلائیں میں صدقے جھکو ذرا

عہدہ علَم کا تمکو مبارک ہو اَے چچا　　میں نے دعائیں کیں ہیں کہ مجھکو دوگے کیا

میدان کا رُخ کروگے کہ دریا پہ جاؤگے

کیا اب بھی تم نہ پیاس ہماری بجھاؤگے

بن پانی اینٹھی جاتی ہے ابتو مری زباں　　ہونٹوں پہ دم ہے ہوں کوئی ساعت کا میہماں

مرجاؤنگی اگر تو مجھے پاؤگے کہاں　　صدقہ علَم کا آج بچالو ہماری جاں

سوئے فرات جاتے ہو شاہ[1] اُمم کے ساتھ

چھوٹی سی ایک مشک بھی لیلو علَم کے ساتھ

عباسؑ نے کہا کہ مجھے خود ہے آرزو　　عزّت ہوئی ملا علَم شاہ نیک خو

سقّا تمہارا ہوُں تو بڑھی اور آبرو　　جبتک ہے دم کرونگا میں آنے کی جستجو

مشکیزہ خالی نہر سے لیکر نہ آؤں گا

پانی نہ یاں ملیگا تو کوثر کو جاؤں گا

ناگہ سُنا جو زوجۂ عبّاسؑ نے یہ حال　　مارے خوشی کے ہوگیا چہرہ کا رنگ لال

ہمراہ لے کے بیٹے کو اپنے وہ خوشخصال　　آئی حضورِ سرورِ ذی قدر و ذی کمال

---

[1] شاہ اُمم ۔ مراد امام حسینؑ سے ہے ٭

پہلے تو بڑھکے شاہِ اُمم کی بلائیں لیں
پھر دونو ہاتھ اُٹھا کے علم کی بلائیں لیں
جھک کر قدم پہ شاہ کے بولی وہ خوش سیر کونین میں گیا مرے والی کو نامور
رکھتی نہیں کچھ اور میں یا شاہ بحر و بر آقا کنیز نذر کو لائی ہے یہ پسر
قائم رکھے کریم محمدؐ کی آل کو
بچوں پہ صدقے کیجیے اس نونہال کو
خالق سے صبح و شام یہی ہے مری دُعا وارث مرا حضور کے قدموں پہ ہو فدا
ہوں رانڈ ہم سے لاکھ کنیزیں اگر تو کیا بانوئے دو جہاں کو سہاگن رکھے خدا
دعوی برابری کا نہیں گو عزیز ہوں
یہ آپ کے غلام ہیں ان کی کنیز ہوں
بولے پسر سے جھک کے یہ عباسؑ نیکنام تم بھی تو کچھ حضور میں بیٹا کرو کلام
ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ لالہ فام لے چلیئے ہم کو ہم علی اصغرؑ کے ہیں غلام
چھوٹی سی ایک تیغ منگا دیجئے مجھے
پہلے سبھوں سے رن کی رضا دیجئے مجھے
حضرت کے آگے فوجِ ستم سے کرینگے جنگ مردوں کا جیتنا ہی بڑا عورتوں میں ننگ
پیرینگے خوں میں بحرِ شجاعت کے ہیں نہنگ ہمکو بھی آج لاکھوں سے لڑنے کی ہے اُمنگ
رشتہ تو رکھتے ہوں شہِ[1] خیبر شکن سے ہم
بندھوائیں ہاتھ جان بچا کر رسن سے ہم

---

[1] شہِ خیبر شکن۔ حضرت علی جنہوں نے خیبر کے قلعہ کا دروازہ توڑا تھا ؞

اتنے میں طبلِ جنگ کی آنے لگی صدا رخصت حرم سے ہو کے چلے شاہِ کربلا
نکلے علم لئے ہوئے عباسؑ باوفا تسلیم ساری فوج نے کی باندھکر پَرا[1]
غل تھا کہ ہونگے حشر میں اس کی پناہ میں
یہ حیدریؑ نشان ہے حسینی سپاہ میں

تھا زینتِ سپاہِ پیمبرؐ یہی علم حمزہ جہاد کرتے تھے لے کر یہی علم
ہے افتخارِ حضرتِ جعفر یہی علم خود دوش پر اٹھاتے تھے حیدر یہی علم
صدقے سے شہ کے ہمکو یہ عزت نصیب ہو
سایہ میں اس علم کے شہادت نصیب ہو

صلِ علیٰ زہے علم و حاملِ علم ذرّہ سے آفتاب فلک ہے نظر میں کم
آتی ہے بوئے خلد پھریرے سے دمبدم یہ شان یہ شکوہ یہ اقبال یہ حشم
ایسا علم ہو دوش پہ ایسے جوان کے
عباسؑ کے نثار تصدق نشان کے

(امام حسینؑ کی مختصر فوج کی میدان کو روانگی)

نکلے حرم سرا سے امامِ فلک جناب برجِ شرف سے جیسے نمایاں ہو آفتاب
گھوڑے پہ جلوہ گر ہوا فرزند بوتراب در پر بلکتی رہ گئی زینبؑ جگر کباب
آنکھوں کے سامنے سے سواری نکل گئی
گویا چمن سے بادِ بہاری نکل گئی

---

[1] پَرا باندھنا - ایک قطار میں ہونا ؞

یاں[1] تھے کسی جگہ پہ پیادے کہیں سوار — خادم کسی مقام پہ باندھے ہوئے قطار
یکسو پڑا جمائے رفیقانِ گلعذار — پھُولے ہوئے چمن پہ خزاں آئی ایکبار
خالی بہادروں سے جلوخانہ ہو گیا
ڈیوڑھی اداس ہو گئی ویرانہ ہو گیا

شبدیز[2] طبع کا یہ اشارہ ہے اب کہ ہاں — مولا کا کچھ جلوسِ سواری کروں بیاں
کیجے شمار گر تو اکاسی ہیں سب جواں — ایک ایک جن میں فخرِ عرب زینتِ جہاں
چہروں کی روشنی سے خجل شمعِ طور ہے
لشکر نہیں حسینؑ کا دریائے نور ہے

جاتی تھی یوں سواری سلطانِ بحر و بر — انجم کی فوج لے کے چلے جس طرح قمر
کھولے علم کو حضرت عباسؑ نامور — گھوڑوں پہ قاسمؑ و علی اکبرؑ ادھر اُدھر
مرکب پہ بیچ میں خلفِ بوتراب ہے
دو چودھویں کے چاند ہیں اک آفتاب ہے

آہن میں مثل جوہرِ شمشیر سب ہیں غرق — شملے ہیں زیبِ دوش عمامے ہیں زیبِ فرق
نعرے جو مثلِ رعد تو گھوڑے مثالِ برق — جنکے قدم تلے ہے سدا سیرِ غرب و شرق
آہو کا انکی چال سے کیا زور چل سکے
جنسے سمندِ[3] وہم نہ آگے نکل سکے

---

[1] یاں یہاں ـ بعض لوگ نظم میں اب بھی یہاں کو یاں لکھ جاتے ہیں [2] گھوڑا ـ شبدیزِ طبع ـ تشبیہ ہے ـ یعنی طبیعت جو تیز رفتار گھوڑے کی طرح جولانیاں دکھاتی ہے ـ
[3] سمند گھوڑا ـ سمندِ وہم تشبیہ ہے ـ یعنی انسان کی قوتِ واہمہ عبارہ رفتار گھوڑے کیطرح سبک خرام ہے ؞

اک اک دلیر شیر نیستانِ کارزار رستم کی رُوح خوف سے جھکے کرے فرار
دیندار سرفروش - نمودار - نامدار راتوں میں کوندتے ہوئے بجلی سے راہوار[1]
للکار لیں[2] جو فوج کو نیزے سنبھال کے
بھاگیں عدو زمین پہ ہتھیار ڈال کے

آگے پکارتے ہوئے جاتے تھے یوں نقیب ہاں غازیو حسینؑ محمدؐ کا ہے حبیب
فدیے ہو فاطمہؑ کے پسر کے زہے نصیب جنت بھی اب قریب ہے مقتل بھی اب قریب
آداب و قاعدے سے دلیرو بڑھے چلو
تلواریں تولتے ہوئے شیرو بڑھے چلو

بالائے دوش حضرتِ حمزہؑ کی تھی سپر ہو جس طرح سے ابر کا ٹکڑا پسِ قمر
چار آئینہ پہ جا کے ٹھہرتی نہ تھی نظر تھے دو غلام خاص مگس راں[3] اِدھر اُدھر
چہرہ عرق سے تر تھا جو سبطِ رسول کا
رومال ہاتھ میں تھا جنابِ بتولؑ کا

امامِ حسینؑ کا سراپا

پھیلا ہُوا تھا دشت میں شاہِ زمن کا نور حیدرؑ کا فاطمہؑ کا نبی کا حسنؑ کا نُور
اک چہرۂ حسینؑ میں تھا پنجتنؑ[4] کا نُور چہرے کی ضوجبیں کی ضیا اور بدن کا نُور

---

[1] راہوار - گھوڑا "کوندتے ہوئے راہوار" تشبیہ ہے - یعنی گھوڑے برق رفتار ہیں

[2] للکارنا - ڈانٹنا [3] مگس ران - مورچھل ہلانے والا -

[4] پنجتن - پانچ آدمی - مراد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم - حضرت علیؓ - حضرت فاطمہ زہرا - حضرت امام حسنؑ - حضرت امام حسینؑ ۔

گردوں پہ کس طرح مہ و اختر نہ ماند ہوں
اک چاند کے شریک جہاں چار چاند ہوں

پہنچے نہ تھے امام ابھی تا بہ قتل گاہ — جاسوس نے یہ آکے خبر دی میانِ راہ
قایم رہے شکوہ شہنشاہِ دیں پناہ — آمادۂ نبرد ہے سب شام کی سپاہ
ناوک فگن کہیں ہیں کہیں نیزہ دار ہیں
میداں سے تا بہ نہر ہزاروں سوار ہیں

ذرّوں کی طرح فوج کا ممکن نہیں شمار — اس گھاٹ پر فقط ہیں کماندار دس ہزار
اُن سے ادھر کو برچھیوں والوں کی ہے قطار — نیزے ملا رہے ہیں سوارانِ ہر زرہ کار
پانی سپاہِ شام سے پانا محال ہے
دریا تلک نگاہ کا جانا محال ہے

اسدم فساد لشکر اعدا میں ہے مگر — مولا کمال فکر میں ہے شمرِ خیرہ سر
سردارِ فوج جمع ہیں باندھے ہوئے کمر — تاکید جنگ کرتا ہے ایک ایک کو عمر
اک نوجواں ہے میں اُسے پہچانتا نہیں
سب مانتے ہیں پر وہ جری مانتا نہیں

حر کی دلیری

سردار ہے ہزار سواروں کا وہ دلیر — زور آورانِ فوج ہیں سب اسکے ڈر سے زیر
بگڑا ہوا کھڑا ہے الگ وہ بسانِ شیر — ہر بار دیکھتا ہے ادھر مُنہ کو پھیر پھیر
آہوں کیساتھ آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں
مانندِ بید عضو بدن تھرتھراتے ہیں

کیا کیا خطا شعاروں کو اُسنے دیا جواب — ہے یہ یقین کہ اس سے نہ چھوٹے رہِ ثواب
تلواریں کھچ گئیں ہیں اِدھر آئے فلک جناب! — یاں کی برائی سننے کی اسکو نہیں ہے تاب
جو ہے اُسے کسی کو یہ پاسِ ادب نہیں
آپس میں جنگ ہو تو کچھ اسکا عجب نہیں

سنتا تھا ہیں کہ یہ عمرِ سعد نے کہا — آتا ہے بہرِ جنگ محمدؐ کا لاڈلا
شہرہ عرب میں تیری شجاعت کا ہی بڑا — جا پہلے لڑ حسینؑ سے تو سوچتا ہی کیا
سرسبز ہونے دے نہ محمدؐ کے باغ[1] کو
جلدی بجھا مزارِ علی کے چراغ[2] کو

قبضہ پہ ہاتھ رکھ کے یہ بولا وہ نیکنام — مظلوم کو ستاؤں یہ میرا نہیں ہی کام
سیّد عیال دار غریب الوطن امام — فاقہ سے تین روز کے دو دن سے تشنہ کام
واجب ہے احترام محمدؐ کی آل کا
ہے کیا قصور فاطمہؑ زہرا کے لال کا

فرمایا شہ نے اسکو خدا دے جزائے خیر — بیٹوں سے ہے عزیز مجھے گو کہ ہی وہ غیر
روئینگے اس جری کو جنؑ انس و وحش وطیر — لکھی ہے اسکے بخت میں باغ ارم کی سیر
اعدا میں تو ہماری محبت کی بو نہیں
وہ ہے تو حُر ہے اور کی یہ گفتگو نہیں

---

[1] محمد کا باغ - رسول اللہ صلعم کا خاندان ،
[2] مزار علی کا چراغ - مراد امام حسینؑ سے ہے ؛

لشکر امام کی میدان کارزار میں آمد

یہ کہکے قتل گاہ میں آئے امام دیں کوسوں فروغ حسن سے روشن ہوئی زمیں
غرق سلاح حرب جوانانِ مہ جبیں نعروں سے غازیوں کے لرزنے لگی زمیں
تلواریں تول تول کے اعدا کو تکتے تھے
شملے[1] چھٹے تھے دوش پہ گیسو لٹکتے تھے

عباسؑ آگے فوج کے کھولے ہوئے علم آنکھوں کو مل رہے تھے پھریرے سے دمبدم
پیدا تھی شان شیر خدا سر سے تا قدم حمزہؑ کا رعب جعفرؑ طیار کا حشم
دریا کو تکتے تکتے تھے بھائی کو دیکھکر
بڑھتے تھے مثل شیر ترائی کو دیکھکر

چلایا ابنِ سعد جفا پیشہ و شریر ہاں ابن فاطمہؑ پہ چلیں ہر طرف سے تیر
کھینچے ہوئے کمانیں بڑھا لشکرِ شریر بولا یہ حُر کہ قہر خدا سے ڈر اے امیر
خوں کس کا ہوگا تیر یہ کس کو لگائے گا
کیا سینۂ نبیؐ کو نشانہ بنائے گا

اُسنے کہا کہ ہاں یہی ہوئیگا[2] لا کلام ہم سے تجھے علاقہ ہے یا دشمنوں سے کام
حُر نے کہا کہ او ستم آرا زباں کو تھام سبطِ رسولؐ ہے مرا محسن مرا امام
تو دشمن نبیؐ ہے ترا کیا شریک ہوں
جنکی طرف خدا ہے اُنہیں کا شریک ہوں

---

[1] شملہ - پگڑی کا چھٹا ہوا حصہ [2] ہوئیگا - ہوگا - پرانی زبان ہے ۞

بولا عمر یزید سے کرتا ہے انحراف　　پکڑی تھی باگ واں بھی نہ ہوگی خطا معاف
اُسنے کہا یہ باتیں ہیں سب عقل کے خلاف　　واللہ ہے حسینؑ کا دل آئنہ سے صاف

ایسے نہیں کہ دوست کو اپنے خجل کریں
تو بھی اگر چلے تو خطائیں بحل کریں

اُسنے کہا خلافِ شجاعت ہے یہ بھی کام　　تجھکو بُرا کہینگے شجاعانِ روم و شام
حُر نے کہا رہیگا ابد تک ہمارا نام　　عاقل ہیں جتنے مدح کرینگے مری مدام

اس کثرتِ سپاہ پہ تو ڈر سے زرد ہے
تھوڑوں کا جو شریک ہو جا کر وہ مرد ہے

مجھکو بُرا کہے تو کہے حاکمِ جہول　　مرنا قبول آگ میں جلنا نہیں قبول
اب سر مرا ہے اور قدمِ نائبِ رسول　　بیدیں کی بے یقین کی طاعت سے کیا حصول

نہ مال سے غرض ہے نہ اب زر سے کام ہے
خوشنودیِ خدا و پیمبرؐ سے کام ہے

دوزخ سے میں تو جاتا ہوں لے جانبِ ارم　　روکے تو مجھکو آکے ترا لشکرِ ستم
چھیڑا فرس کو کہہ کے جو یا سیدالامم[2]　　طاؤس کی طرح سے اڑا اسپِ خوش قدم

---

[1] حُر نے پہلی مرتبہ دشتِ کربلا میں حاکمِ کوفہ کے حکم سے جو امام حسینؑ کو آگے بڑھنے سے روکا تھا - اور آپ کے گھوڑے کی باگ پر گستاخانہ ہاتھ ڈال دیا تھا - اس واقعہ کی جانب اشارہ ہے - [2] یا سیدالامم - اے قوموں کے سردار - یہ نعرۂ جنگ کے طور پر کہا گیا ہے ؂

ہاں[1] ہاں کیا کیئے۔ پہ[2] وہ سن سے نکل گیا
آئی صدا کہ چاند گہن سے نکل گیا

جب آدھی راہ کر چکا طے حُرِ نامور   بیٹے سے تھم کے کہنے لگا وہ نکو سیر
میں دستگیر[3] خلق کا مجرم ہوں اے پسر   تو کاٹ ڈال ہاتھ مرے تیغ کھینچکر
دستِ خدا پدر ہے شہِ کائنات کا
ہاتھ آئیگا اسی میں وسیلہ نجات کا

پسرِ حُر باپ سے کہتا ہے کہ اگر امام حسینؑ تمہارا قصور معاف نہ کریں تب اپنے ہاتھ کاٹ دینا اور اب تو

چلکر امامِ پاک کے دامن کو تھام لو
فردوس ہاتھ آئے وہ ہاتھوں سے کام لو

حُر نے اپنے دونو ہاتھ رومال سے بندھوائے اور اسیر مجرموں کی طرح امام حسینؑ کی خدمت میں روانہ ہوا ۔ امام حسینؑ کو اپنی جانب آتا دیکھا تو گھوڑے پر سے کود پڑا اور عرض کیا کہ

صدقے تمہارے کرم کے میں اے قبلۂ انام
محجوب ہوں بہت شہِ والا صفات سے
بندے کے ہاتھ قطع کرو اپنے ہات سے

---

[1] ہاں ہاں! کلمۂ تنبیہ بمعنی خبردار - مراد روکنے سے ہے - [2] پہ - پر بمعنی مگر - اب متروک ہے [3] دستگیر خلق - مراد امام حسینؑ سے ہے - شاعر کا عقیدہ یہی ہے ۔

پھیلا کے ہاتھ کہنے لگے شاہ دیں پناہ ۔۔۔ لگ جا گلے سے روکی تو روکی ہماری راہ
ہے تو تو دوست ہم تو ہیں دشمن کے خیر خواہ ۔۔۔ تیری نہ کچھ خطا ہے نہ ہاتھوں کا ہی گناہ
تجھکو نہ بخش دیں یہ رحیمی سے دور ہے
روکا تھا[۱] ہم کو موت نے تو بے قصور ہے

حضرت امام حسینؑ حرُ کے ہاتھ کھول دیتے ہیں - پھر حرُ اذن جنگ طلب کرتے ہیں - امام حسینؑ انہیں مہمان تصور کر کے فرماتے ہیں:-

ہم پہلے داغ خویش و اقارب کے دیکھ لیں
تو ہمکو دیکھ ہم تجھے جی بھر کے دیکھ لیں

حرُ کی التجا پر امام حسینؑ مجبوراً اسے رخصت فرماتے ہیں -

بچھڑے جب ایسا دوست تو کیا دلکو کل پڑے
رخصت تو دی پر آنکھوں سے آنسو نکل پڑے

حرُ لشکر غنیم کو امام حسینؑ کی اطاعت پر اُبھارتے ہیں تو ان کے دلائل سے لشکر کے کچھ لوگ پسیجنے لگتے ہیں - شمر یہ دیکھ کر اپنے لشکر کو سمجھاتا ہے -

اس گفتگو سے حرُ کی ہوئے اہلِ کیں خجل ۔۔۔ کانپے بدن لرزنے لگے چھاتیوں میں دل
کتنے جواں تو رونے لگے ہو کے منفعل ۔۔۔ چلایا شمر آنکے[۲] ہر صف کے متصل
مارو اسے کچھ اسکے نہ ہونے کا غم نہیں
دشمن کا ہو جو دوست وہ دشمن سے کم نہیں

---

[۱] حر کے پہلے واقعہ کی جانب اشارہ ہے [۲] آنکے بمعنی آکے - پُرانی زبان ہے ٭

یہ سنکے حُر پہ چلنے لگے تیر بیشمار — نیزہ ہلا ہلا کے صفوں سے بڑھے سوار
تیغیں ہوئیں بلند چلے برچھیوں کے وار — لشکر میں مثلِ شیر در آیا[1] وہ نامدار
پہلے ہی جنکے وار چلے تھے سو چل گئے
دیکھی جو تیغِ حُر کی چمک دم نکل گئے

چہرے چھپائے پشت سے ڈھالوں کو کھولکے — پیچھے ہٹے بڑھے نہ تھے تیغوں کو تول کے
بھاگے سوار پھر تو پیادوں کو رَوْل کے[2] — پہنچا وہ شیر بیچ میں اعدا کے غول کے
غل تھا کہ آج خاتمہ لشکر کا ہو گیا
اک اک قدم پہ ڈھیر تن و سر کا ہو گیا

حُر کا حملہ

ہر دم تھی جنگ میں بُرش تیغ حُر دو چند — خوں گھٹ گئے تنوں کے بڑھا جس طرف سمند
دستِ اماں کئے تھے ادھر کے علم بلند — تھرّا رہے تھے برچھیوں والوں کے بند بند
تیغوں کی کچھ خبر تھی نہ ڈھالوں کا ہوش تھا
نیزہ ہر اک سوار کو اک بارِ دوش تھا

دہشت سے سہم کر قدر انداز مر گئے — رُخ پھر گئے کمانوں کے چلّے اُتر گئے
ترکش سے تیر گر کے زمیں پر بکھر گئے — ہرگز ملا نہ گوشہ راحت جدھر گئے
دانستہ سرکشوں نے جو کارِ خطا کیا
تقدیر نے نشانۂ تیرِ قضا کیا

---

[1] در آیا - اندر گھس آیا ؛

[2] رول کے - روند کر - پامال کر کے ؛

حُر کا رہوار تیز گام

گھوڑا وہ برق تھا جو راکب کا حکم پائے افلاک پر سمند نظر کی طرح سے جائے
اسکے قدم کے پاس بھی صرصر کبھی نہ آئے پیکِ خیال و وہم یہ سرعت کہاں سے لائے
جس غول پہ گرا تو اڑا اس شکوہ سے
پرواز کبک کرتا ہے جس طرح کوہ سے

حُر کی تیغ بے نیام

بجلی سی تیغ شعلہ فشاں چارسو پھری میداں میں بھاگتی ہوئی فوجِ عدو پھری
دم میں ستمگروں کا بہا کر لہو پھری سر کاٹ کر جدھر سے پھری سُرخرو پھری
یہ اوج تیغِ قدرتِ حق سے عیاں ہُوا
گویا ہلالِ عید شفق سے عیاں ہُوا

غلطاں تھے تن زمیں پہ جدا اور سر جُدا زخمی اُدھر پڑے تھے جدا اور ادھر جُدا
گردن جدا تھی سینہ جدُا اور کمر جُدا شانے سے ہاتھ ہاتھ سے تیغ دوسر جُدا
پستی پہ جب چمک کے بلندی سے آتی تھی
گاوِ زمین[۱] زمیں کے تلے تھرتھراتی تھی

روکا سپر پہ جب تو سپر سے نکل گئی دو کر کے خود کا سۂ سر سے نکل گئی
آئی اُدھر سے گر تو اِدھر سے نکل گئی سینہ کو چاک کر کے کمر سے نکل گئی
ضربت سے چار آئینہ والے بھی دنگ تھے
کہنے کو تھی وہ تیغ پہ بجلی کے رنگ تھے

---

[۱] عام خیال ہے کہ زمین کے سات طبقے ایک گائے کے سینگ پر ٹھہرے ہوئے ہیں اور وہ گائے ایک مچھلی پر کھڑی ہے۔

تن سینکڑوں زمیں پہ بے سر دکھا دیے　　اجزائے جسم خاک پہ ابتر دکھا دیے
چشمِ غضب نے شیر کے تیور دکھا دیے　　ہاتھوں نے زورِ تیغ نے جوہر دکھا دیے
یوں جست کی سمند نے لاشوں کو روند کر
بجلی فلک سے گرتی ہے جس طرح کوند کر
دہنی طرف گیا تو رسالے قلم ہوئے　　ترکش سے جس نے تیر نکالے قلم ہوئے
آیا ادھر تو برچھیوں والے قلم ہوئے　　حملہ کیا پلٹ کے تو بھالے قلم ہوئے
اعدا کے برقِ ہوش اجل نے اڑا دئے
ڈھالوں کے پھول تیغ کے پھل نے اڑا دئے
یوں تن سے سر گراتی تھی شمشیرِ آبدار　　جیسے رگِ سحاب کبھی ہو تگرگ[1] بار
دو ہو گیا وہ صاف کیا جس پہ ایک وار　　غلطاں لہو میں تھے کہیں پیدل کہیں سوار
ہر صف میں اس جری کی لڑائی کا شور تھا
ہر غول میں نبی کی دوہائی کا شور تھا

حضرت امام حسینؑ لشکر میں کشتوں کے ڈھیر دیکھ حمیتِ اسلامی سے بیتاب ہو کر حُر سے فرماتے ہیں:-

چلّائے تب حسینؑ کہ بس اے دلیر بس　　مقتل میں ہر طرف ہوئے لاشوں کے ڈھیر بس
اعدا دوہائی دیتے ہیں گھوڑوں کو پھیر بس　　امّت ہے یہ نبی کی بس اے میرے شیر بس
شاباش حق دوستی پنجتن ہے یہ
غربت بھی اب دکھا کہ ہمارا چلن ہے یہ

---

[1] تگرگ - اولا - پنجابی میں گڑا کہتے ہیں ؛

یہ سنکے ہاتھ روک لیا اس جری نے جب — بولا یہ شمر ٹوٹ پڑو اسپہ مل کے سب
یاں غم سے بیقرار ہوئے شاہ تشنہ لب — تیغوں کے وار چلنے لگے حُر پہ ہے غضب
کاری جو زخم تن پہ لگے اس دلیر کے
تکنے لگا حسینؑ کا منہ پھیر پھیر کے

سینہ سے جبکہ ہوگئی برچھی جگر کے پار — گھوڑے پہ ڈگمگانے لگا حُرؓ نامدار
رکھ کر جگر پہ ہاتھ پکارا وہ دلفگار — اے فاطمہؑ کے لال یہ خادم ہوا نثار
اب شفقت امام حجازی کا وقت ہے
آقا یہی غلام نوازی کا وقت ہے

آثارِ سحر

مشرق سے صبح کی جو سپیدی عیاں ہوئی — اور پردۂ حجاب میں ظلمت نہاں ہوئی
روشن چراغ مہر[۱] سے بزم جہاں ہوئی — اعدا میں فکر قتل امام زماں ہوئی
نیزے سنبھالے تیغ و سپر باندھنے لگے
آل نبیؐ کے خوں پہ کمر باندھنے لگے

رکھا کسی نے خود کو سر پہ بہ عزم جنگ — خنجر سجا کمر میں کسی نے چٹا[۲] کے سنگ
پہنی زرہ کسی نے پہن کر قبائے تنگ — بولا زہ کمان میں کوئی جوڑ کر خدنگ

---
[۱] آفتاب سے دنیا میں اجالا ہوگیا [۲] چٹا کے سنگ - پتھر پہ تیز کر کے

چکی سے میرے تیر یہ جسدم روانہ ہو
پیشانیِ حسینؑ الٰہی نشانہ ہو!

واقعہ نگاری

دو دن سے اہلبیت میں ہے شور العطش
بچوں کو مارے پیاس کے آتے ہیں غش پہ غش
مرنے پہ مستعد ہیں جوانانِ ماہ وش
ہیں بیعتِ یزید سے حضرت کنارہ کش
راکب جو اُن کے تیرِ الم کے نشانہ ہیں
گھوڑے بھی تین روز سے بے آب و دانہ ہیں

خیمے سے بہر جنگ بر آمد ہوا عمرؔ
یہ ذکر تھا ابھی کہ ہوئی یک بیک خبر
مجرا[1] کیا شقی کو ادب سے جھکا کے سر
سرکردہ ہائے فوج نے صف اپنی باندھکر
میداں میں سرکشی جو ہر اِک نے پسند کی
ایک ایک پر شقی نے نوازش دو چند کی

عمر ابن سعد اپنی فوج کا جائزہ لے کر لشکریانِ فوج کو اس طرح مخاطب کرتا ہے:-

دُنیا کا اُنکے پاس نہیں کچھ متاع و مال
زہراؑ کی بیٹیاں[2] ہیں غریب و شکستہ بال
پر تم کچھ انکے پردے کا مت کیجیو خیال
اُنکا وہی ہے حال جو تھا فاطمہؑ کا حال

---

[1] مجرا کرنا۔ سلام کرنا [2] حضرت فاطمہؑ دختر پیغمبر اسلام علیہ السلام کی زندگی نہایت عُسرت اور تنگی سے بسر ہوئی۔ کبھی شکم سیر ہو کر کھانا نصیب نہیں ہوا۔ چکّی پیسنی پڑتی تھی۔ زہراؑ کی بیٹیوں سے مراد حضرت زینب ہمشیرہ امام حسینؑ ہیں ؎

حیدرؑ کی دیں دوہائی کہ روئیں پکار کے
لے آنا انکے سر سے ردائیں[1] اتار کے

کہہ کے فوج کا وہ لگا کرنے بندوبست　　منظور اسکو فوجِ حسینی کی تھی شکست
ہموار ہوگئی جو زمیں تھی بلند و پست　　آگے بڑھائے چُن کے جوانانِ تیز دست
چاؤش[2] دل بڑھانے لگے نوجوانوں کے
اُڑنے لگے ہوا سے پھریرے نشانوں کے

حضرتِ علی اکبر کی شان میں کہا ہے :۔

گھوڑے پہ اک طرف علی اکبرؑ سا ماہ رو　　تصویر تھا رسُولِ خدا کی وہ ہُو بہو
دادا[3] کا زور خُلق چچّا[4] کا پدر[5] کی خوُ　　گُل سا جمال عطر فشاں زلف مشکبو
کب یہ فروغ ہوتا ہے خورشید و ماہ میں
روشن تھی شمعِ نورِ خدا رزم گاہ میں

قاسم پہ طرفہ باغ جوانی کی تھی بہار　　سنبل سی زلفیں سرو سا قد پھول سی عذار
آنکھیں وہ جن پہ کیجیئے نرگس کو بھی نثار　　نازک لب اسقدر رگِ گل جنکے آگے خار
بے وجہ مُنہ نہ سُرخ تھا اس جاں فروش کا
لختِ جگر تھا وُہ حسنؑ[6] سبز پوش کا

---

[1] ردا۔ سر کی چادر [2] چاؤش۔ نقیب فوج [3] حضرت علیؑ [4] حضرت عباسؑ
[5] امام حسینؑ [6] حسن سبز پوش۔ امام حسینؑ کے بڑے بھائی امام حسنؑ جنہیں دشمنوں نے زہر دیکر شہید کر دیا تھا۔ شہیدوں کا جنتی لباس سبز ہوا کرتا ہے ؛؛

حضرت عباسؑ اپنی فوج کی ترتیب کے متعلق حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں - امام حسینؑ جواب میں فرماتے ہیں :-

تم اُن کے سامنے جو صف آرا ہوئے تو کیا یاں سَو جواں نہیں ہیں اُدھر ہیں ہزار ہا
لیکن مجھے تو آج ہے مرنے سے مدّعا جسطرح چاہو باندھ لو میدان میں پرا[1]
پیچھے رہینگے یا قدم آگے بڑھائینگے
سب آگے پیچھے ایک ہی منزل پہ جائینگے

عمر ابن سعد کے یہ کہنے پر کہ تم امام حسینؑ کی حمایت کیوں کرتے ہو جبکہ وہ امیر شام سے بغاوت کر رہے ہیں - حُر حضرت امام حسینؑ کے احسان کو یاد کرتا ہے کہ جب کسی جگہ ہمیں پانی نہیں ملا تھا - تو امام حسینؑ نے اپنے بچوں کا خیال نہ کر کے ؎

دریائے فیضِ ساقی کوثر دکھا دیا
گھوڑوں سمیت پیاسوں کو پانی پلا دیا

ہرگز نہ قحط آب کا گذرا اُسے خیال سوچا نہ یہ کہ ساتھ ہیں اطفال خورد سال
واللہ بحر جُود و سخا ہے نبیؐ کی آل ایسے سخی سے ہو مجھے کیونکر نہ انفعال
وہ پانی ساتھ ہوتا جو اس حق شناس کے
بچے تڑپتے خیمے میں کیوں مارے پیاس کے

حُر لشکر غنیم کا ساتھ چھوڑ کر حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں آتا ہے

---

[1] پرا باندھنا - ایک قطار میں ہونا ٭

فرماتے تھے یہ شاہ کہ اُٹھی زمیں سے گرد	دہشت سے ہوگیا رُخِ مہرِ سپہر زرد
سمجھے رفیقِ شہ کوئی آیا پے نبرد[1]	بہرِ ستیز[2] ہو گیا آمادہ فرد فرد[3]
دیکھا تو کہتا آتا ہے کوئی پناہ دو
سبطِ رسولؐ تک مجھے جانے کی راہ دو

حُر امام حسینؑ سے اپنی خطائیں معاف کراتے ہیں - امام حسینؑ حُر سے ملکر فرماتے ہیں :-

اے حُر خدائے عزّوجل کی مجھے قسم	تیرا ہی انتظار میں کرتا تھا دمبدم
گنتی میں میری فوج کی تھا ایک تُوہی کم	پہلے سے تیرا نام شہیدوں میں تھا رقم
یوُں شاد ہوگے تجھ سے ہم اے باوفا ملے
بچھڑا ہوا عزیز کوئی جیسے آ ملے

زورِ بیان

طالع[4] نے خوابِ زشت[5] سے اسکو جگادیا	دِل نے نفاق کفر کا پردا اُٹھا دیا
اقبال نے بہشت کا رستہ بتا دیا	آنکھوں نے جلوہ نورِ خدا کا دکھا دیا
جو راہ راست تھی قدم اس راہ پر گئے
کام اُسکے جتنے بگڑے ہوئے تھے سنور گئے

حضرت زینبؑ حُر سے فرماتی ہیں :-

---

[1] نبرد - لڑائی [2] ستیزہ - لڑائی - [3] ہر شخص آمادۂ جنگ ہوگیا [4] طالع نصیب [5] خوابِ زشت - خواب پریشان ؎

آنے سے تیرے شاد تو ہوں پر ہے ایک غم مہمانی کیا کریں کہ ہیں مجبور تجھ سے ہم
بچوں کے مارے پیاس کے دم میں نہیں ہے دم پانی بھی تین روز سے پہنچا نہیں بہم
یہ بیکسوں پہ ظلم خدا کا بھی ڈر نہیں
مہماں ہیں جنکے انکو ہماری خبر نہیں

یہ سُنکے حُر کی آنکھوں سے آنسو ہوئے رواں اصغر[۲] کو لاکے گود میں تب سرورِ زماں
کہنے لگے کہ کیا کہوں اے میرے میہماں ہم سب تو اک طرف یہ جو بچہ ہے نیمجاں
اسکی بھی مارے پیاس کے حالت تباہ ہے
میں کشتنی ہوں یہ تو بھلا بے گناہ ہے

میدان جنگ کو جانے کے لئے جب حُر بہت اصرار کرتا ہے۔ تو حضرت امام حسینؑ فرماتے ہیں ؎

مقبول حق ہے کون تیری عرض رد کرے
جا بھائی تیری عالمِ بالا مدد کرے

حُر کے حملہ کے وقت غنیم کے لشکریوں کی یہ حالت تھی کہ:۔

وہ مضطرب تھے خوف سے یہ اپنی جانوں کے
دہشت سے کھچ نہ سکتے تھے چلّے کمانوں کے
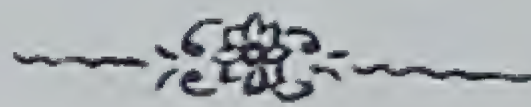
جب آفتاب[۱] تاج سر آسماں ہوا اور جلوۂ خطوط شعاعی عیاں ہوا
دامانِ[۲] شب میں لشکر انجم نہاں ہوا مصروف ذکر حق شہ کون و مکاں ہوا

[۱] سورج نکلا [۲] تارے چھپ گئے ÷

واں طبل جنگ بجنے لگا رزم گاہ میں
تکبیریاں بلند تھی ناموس شاہ میں

یہ وہ صبح قتل تھی جب ع
بھرتی تھی آہ سرد ہر اک باغ میں نسیم

اور

ماتم میں تھا گلوں کا گریباں پھٹا ہوا
کہتی تھی سر پہ خاک اڑا کر یہی صبا
اب خاک میں ملے گا یہ گلزار فاطمہؓ

لشکر غنیم کی یہ حالت تھی کہ ؎
میدانِ کارزار میں تھی صف کشی کی دُھوم
دریا کے بندوبست میں تھا ابن سعد شوم

اور فوجِ حسینؑ کو پوری طرح مغلوب کرنے کے لئے ؎
پھر شمر بیحیا سے یہ بولا وُہ نابکار
ہیں سوئے میمنہ[1] تو جواں آٹھ نو ہزار
رہ قلب فوج میں کہ تو ہے آزمودہ کار

ہوتا تھا اسطرف تو یہ سامان جنگ کا   بیٹھے تھے جا نماز پہ یاں شاہؑ[2] کربلا
اتنے میں آئی ہاتف[3] غیبی کی یہ ندا   ہاں مستعد ہو جنگ پہ اَے لشکرِ خدا

---

[1] داہنے طرف کی فوج ، [2] امام حسینؓ مراد ہیں [3] فرشتۂ غیب ۔

باندھو کمر یہ حکم خدائے جلیل ہے
ہنگام کارزار ہے وقتِ رحیل ہے

جب یہ صدا سُنی شہ[1] عرش احتشام نے — تسبیح جا نماز پہ رکھدی امام نے
پوشاک پہنی سبط[2] رسولِ انام نے — مرنے پہ باندھی[3] چست کمر تشنہ کام نے
آراستہ زرہ کو تنِ پاک پر کیا
حیدرؑ کی ذوالفقار کو زیب کمر کیا

واقعہ نگاری

آنکھوں میں اشک بھر کے ہر اک بی بی کہا — لو الوداع اے حرم پاک مصطفا
یہ سُنکے بی بیوں میں قیامت ہوئی بپا — بیتابی میں گری سرِ کلثوم[4] سے ردا
حالت تباہ ہوگئی بانوئے شاہ کی
ہاتھوں سے دلکو تھام کے زینب نے آہ لی

حضرت امام حسینؑ نے حرم پاک سے کہا۔ بیبیو یہ رونے کا مقام نہیں۔ رونا منشائے الٰہی کے بالکل خلاف ہے۔ ہمیں تسلیم و رضا سے کام لینا چاہئے۔

امرِ خدا میں بندے کا ہے اختیار کیا

موت سب کے لئے ضروری ہے ۔ کُلُّ نفسٍ ذائقۃُ المَوت۔ ہر ذی حیات کے لئے تلخی اجل لازمی ہے۔ دنیا سے کوئی آج اُٹھا اور کوئی کل۔ اس کے بعد۔

---

[1] امام حسینؑ مراد ہیں [2] اولاد [3] بالکل آمادہ ہو گئے [4] امام حسینؑ کی چھوٹی بہن ؞

خیمے سے باہر آ گئے جب شاہِ کربلا
مجرے کو جھک گئے رفقا باندھ کر پرا

پھر امام اپنے رفیقوں کے ساتھ میدان جنگ کی طرف روانہ ہوتے ہیں :-

کیا شوکتِ سواری سرور کروں بیاں   آگے علم تھا لشکرِ اسلام کا نشاں
غرق سلاح گھوڑوں پہ تھے ہاشمی جواں   سر پہ عمامے نورِ خدا چہروں سے عیاں
سوکھی ہوئی زبانوں پہ ذکرِ الٰہ تھا
ایک ایک ملکِ صبر و قناعت کا شاہ تھا

زورِ بیان

سائے میں تھے علم کے شجاعانِ ارجمند   روشن تھے آفتاب سے چہرے ہزار چند
مانند برق کوندتے تھے زیر راں سمند   ہر دم نقیب فوج کی تھی یہ صدا بلند
ہے سامنے بہشت دلیرو بڑھے چلو
تلواریں تولتے ہوئے شیرو بڑھے چلو

رَن میں پہنچتے ہی ؎

کھولا جنابِ حضرتِ عباسؑ نے علَم
یہ رُعب تھا کہ کانپ گیا لشکرِ ستم

پھر انیسؔ حضرت عباسؑ کی تعریف میں اسطرح گوہر فشانی کرتے ہیں ؎

عمامہ سر پہ خلعتِ شاہانہ زیب تن
جنگ آزما - نہنگِ وغا شیر صف شکن

حضرت اکبر کے شوقِ جنگ کو ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں:-

وہ دل میں شوق جنگ کا وُہ عالم شباب

حضرت زینبؑ کے صاحبزادوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ اگرچہ صغیر سن ہیں۔ مگر غضب کے دلیر ہیں۔ کیونکر نہ ہوں کہ شیر الٰہی کے شیر ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:-

میدان کربلا میں بجے طبلہائے جنگ   چلّوں میں جوڑنے لگے اہلِ ستم خدنگ[1]
جوشِ غضب سے سُرخ ہوئے غازیوں کے رنگ   شہ نے کہا ابھی ہے مناسب تمہیں درنگ

سبقت مری طرف سے نہ زنہار کیجیو
جب اُنکے وار ہوں لیں تو تم وار کیجیو

حضرت امام حسینؑ تکمیل حجّت کے لئے لشکر اشقیا سے خطاب کرکے کہتے ہیں:-

نامنصفو خیال کرو تم یہ کیا ہے قہر   پی جاتے ہیں چرند و پرند آکے آبِ نہر
اور تین دن سے گھر میں مرے قحط آب ہے
بچّوں کا تشنگی سے کلیجہ کباب ہے

اس وعظ و پند نے نہ کیا کچھ اُنہیں اثر   دینے لگے جواب دُرشتانہ اہلِ شر
حجّت تمام کرکے پھرے شاہ بحر و بر   اپنے پرے میں کانپ گیا حُر نامور
آنسو بھر آئے آنکھ میں بیتاب ہو گیا
حضرت کی بیکسی پہ جگر آب ہو گیا

---

[1] خدنگ بمعنی تیر ؀

حُر کا بھائی حُر کے تغیّرِ رنگ اور بدحواسی کو دیکھکر اس سے دریافت کرتا ہے کہ یہ کیا حالت ہے :-

بھائی سے تب یہ کہنے لگا حُرِ ارجمند   تھرّا رہا ہے خوفِ الٰہی سے بند بند
ہے طالبِ بہشتِ بریں جانِ مستمند   بیمِ عذابِ نار سے ہے روح پر گزند
صدمہ یہ ہے کہ نرغے میں ہے رہنما مرا
محسن مرا امام مرا پیشوا مرا

پھر کہتا ہے :-

سیّد عیالدار غریب الدّیار ہے
جانِ نبیؐ ہے فاطمہؑ کی یادگار ہے

اِسواسطے :-

قتلِ حسینؑ قتلِ پیمبر سے کم نہیں

کیا یہ ممکن ہے کہ :-

نیزے لگاؤں جا کے میں اپنے امام کو   مُنہ کس طرح دکھاؤنگا خیر الانام کو
حربے میں کس طرح سے کروں جسمِ پاک پر
کیونکر گراؤں عرش کے تارے کو خاک پر

کہکر سخن یہ حُر نے کیا نعرۂ امام   فرزند ایک ساتھ تھا اک بھائی اک غلام
سر کو چلے جھکائے ہوئے چاروں نیکنام   الفت سے بیقرار ہوئے یاں شہِ انام
ہمراہ لے کے بیٹے کو اور اپنے بھائی کو
وہ پیشوائے خلق چلا پیشوائی کو

پہنچے قریب جبکہ شہنشاہ باکرم　　تسلیم کے لئے ہوئے چاروں سوار خم
حُر نے کہا یہ قدموں پہ گر کر بچشم نم　　روحی فداک اَے پسر سیّدِ امم

کیجے کرم غلام پہ حیدرؑ کے واسطے
تقصیر بخشدیجے پیمبر کے واسطے

حضرت امام حسینؑ حُر کا سر قدموں سے اٹھا کر اُسے گلے سے لگا لیتے ہیں اور فرماتے ہیں :-

دُنیا میں تو نے دولتِ عقبیٰ حصول کی
بھائی ! کریم نے تیری توبہ قبول کی

حر کو عجب سرور ہوا سُن کے یہ کلام　　لے آئے ساتھ فوج میں اپنی اُسے امام
بتلائے سب عزیزوں رفیقوں کے اپنے نام　　حُر سے ہوئے بشوق بغلگیر تشنہ کام

انصار شاہ کا تھا ہجوم اُس جوان پر
احسنت و مرحبا تھا ہر اک کی زبان پر

قدموں پہ گر کے شاہ کے بولا وہ نیکنام　　میں نے ہی پہلے آپکو روکا تھا یا امام
حضرت پہ پہلے سب سے فدا ہوگا یہ غلام　　کہنے لگا یہ سُنکے وہ مولائے خاصؑ عام

قصدِ نبرد گاہ ابھی اَے جواں نہ کر
شرمندہ تو حسینؑ کو اے میہماں نہ کر

اعترافِ مجبوری

بھائی ابھی تو آتا ہے جلدی ہے ایسی کیا　　پہلے مرے رفیقوں کو ہو لینے دے فدا
شرمندہ تیرے مُنہ سے ہوں اے مردِ باوفا　　کچھ تیری میہمانی کا ساماں نہ ہو سکا

بچہ ہر ایک پیاس کے مارے نڈھال ہے
فاقے سے تین دن کے محمدؐ کی آل ہے

حُر کے بار بار اصرار کرنے پر حضرت امام حسینؑ اُسے میدانِ جنگ میں جانے کی اجازت دے دیتے ہیں :-

شہ نے کہا کہ ہے یہی مرضی تو لے سدھار   تسلیم کر کے گھوڑے پہ تب حُر ہوا سوار
کوڑا کیا سمند کو غازی نے ایک بار   چاروں جواں چلے سوئے میدانِ کارزار
یہ رعب تھا حسینؑ کے اس میہمان کا
فوجِ ستم سے شور اُٹھا الامان کا

حُر سر سے لے کر پاؤں تک دریائے آہنی میں غرق ہے۔ میر انیسؔ اس حالت کو اس طرح بیان کرتے ہیں :-

رکھے تھا خود فرق ہمایوں پہ ذی شعور   ہر اک کو تھا گماں کہ ہے قندیل شمع طور
یوں جلوہ گر زرہ میں تن سُرخ فام تھا
گویا چھپا ہُوا چمنستاں میں دام تھا

اس کے بعد کہتے ہیں :-

اس شان اور شکوہ سے آیا جو حُر نظر
نکلا تب اس سے لڑنے کو صفوان بدگہر
نیزے کو تول کر وہ ہُوا حُر پہ حملہ ور
مگر حُر نے اُسے نیزے پر اُٹھا کر
دے مارا یوں کہ گرد نہ اٹھی زمین سے

پھر تلوار کا ذکر کیا ہے :-

قہرِ خدا تھی ضربت تیغِ حُر دلیر
حُر اور اسکے تینوں ساتھی

ایسے لڑے کہ لشکرِ کیں دنگ ہو گیا — دشتِ نبرد خون سے گلرنگ ہو گیا
جو مُنہ پہ آیا تیغ کے چو رنگ ہو گیا — عرصہ ہر اک پہ زندگی کا تنگ ہو گیا
تینوں سوار گھر گئے پر حُر لڑا کیا
تنہا ہی فوج سے وہ بہادر لڑا کیا

دیکھا جو حُر نے خاک کے اوپر گرا پسر — بیتاب الفتِ پدری سے ہوا جگر
بیٹے کی سمت دیکھا ذرا مُنہ کو پھیر کر — مارا کسی نے فرق پہ اک گرزِ گاؤ سر
غازی قریب لاشِ پسر جا کے گر پڑا
مہمانِ شاہ گھوڑے سے تیورا کے گر پڑا

ہے شور آمد آمدِ حُر فوجِ شاہ میں — ہر اک جوان خوش ہے حسینی سپاہ میں
زہرؑا کی روح منتظرِ حُر ہے راہ میں — زینب دعائیں دے رہی ہے خیمہ گاہ میں
اللہ رے مرتبے حُرِ قدسی سرشت کے
حوروں نے وا کیے ہیں دریچے بہشت کے

قدسی[۱] زبانِ حال سے کہتے ہیں :-

ہیں جسطرف حسینؑ وہ راہِ نجات ہے — ظلمت یہ شر کی ہے تو وہ آبِ حیات ہے
ہے پاسِ دیں جسے وہ بشر خوش صفات ہے — دنیا کو چھوڑ کون بڑی کائنات ہے

[۱] فرشتے ؎

ایسا نہ ہو کہ فوجِ عدو میں ہلاک ہو
دریا سے جا کے مل کہ گناہوں سے پاک ہو

جس کام میں ہو شر بشر اس سے جدا رہے
لازم ہے امر خیر کہ راضی خدا رہے
دریائے فیض حق سے سدا آشنا رہے
آئینہ وار صاف رہے بے ریا رہے
گر ہو تو حق پرست کے دامن پہ ہاتھ ہو
ساتھ اس ولی کا دے کہ خدا جسکے ساتھ ہو

جو مرد ہیں جہاں میں وہ مرتے ہیں نام پر
دیندار جان دیتے ہیں عقبیٰ کے کام پر
ہے تین دن سے فوج کا نرغہ امام پر
قربان ہو حسینؑ علیہ السلام پر
انسان کھو کے وقت کو پاتا نہیں کبھی
جو دم گزر گیا وہ پھر آتا نہیں کبھی

یہ صف کشی یہ وقت یہ ہنگام پھر کہاں
یہ سرزمیں یہ لشکرِ اسلام پھر کہاں
گر صاحبِ نگیں ہو تو یہ نام پھر کہاں
دن ڈھل گیا تو شاہِ خوش انجام پھر کہاں
دنیا میں نورِ چشم نبیؐ کو نہ پائے گا
انہیں سے بعد عصر کسی کو نہ پائے گا

یاں کا ہے یہ تو حال سنو اُس طرف کا رنگ
فوجِ امیر شام ہے سب مستعد بہ جنگ
چلّوں سے ہیں ملائے ہوئے اہل کیں خدنگ
غل ہے کہ ہاں لڑائی میں اب کچھ نہیں درنگ
فوجیں لئے کمکؔ کو رئیسانِ شام ہیں
پھل برچھیوں کے جانب فوج امام ہیں

ؔ فوجی امداد ؞

حُر اک طرف کھڑا ہے مسلّح مگر خموش
پیچھے ہیں دو ہزار جوانانِ زرہ پوش
بھائی کا ہے خیال نہ کچھ ہے پسر کا ہوش
آنکھوں میں اشک دل میں محبت کا شہ کی جوش
انجام کا خیال ہے ایماں کا درد ہے
رعشہ تمام جسم میں اور رنگ زرد ہے

شمر ان حالات کی اطلاع عمر ابن سعد کو دیتا ہے کہ حُر کی فوج میں آثار اچھے نہیں نظر آتے خود حُر کی یہ حالت ہے کہ

ہر چند ابھی کسی پہ ستم ہے نہ ظلم و جور
بے طور پر مجھے نظر آتا ہے حُر کا طور
غصّہ ہے تھرتھراتا ہے تو دیکھ لے بغور
ثابت ہوا مجھے کہ ارادہ ہے اسکا اور
اسکو نہ تیرا پاس نہ حاکم کا کچھ ہے ڈر
بپھرا کھڑا ہوا ہے الگ مثل شیر نر

یہ سُنکر ابن سعد کو ہراس ہوتا ہے وہ حُر کو اپنے پاس بلواتا ہے۔ حُر کی یہ حالت کہ غصّہ سے رنگ سرخ مگر مجتمع حواس۔ وہ ابن سعد کی طرف روانہ ہوتے ہیں مگر کیفیت یہ ہے کہ

وہ غیض تھا عمر کی طلب سے دلیر کو
جسطرح ٹوک دے کوئی غصّہ میں شیر کو
خیمے سے دور تھا ابھی کچھ حُرِّ نامور
غل یک بیک ہوا کہ بر آمد ہوا عمر
بالائے فرقِ نحس چمکتا تھا چتر زر
تیغیں علم کئے تھے مصاحب ادھر ادھر
غرّہ تھا بیحیا کو ہجومِ سپاہ پر
سایہ ہزار ڈھال کا تھا روسیاہ پر

ابنِ سعد کا جلوس

غُل تھا ہٹو بڑھو کا پیادوں میں بار بار پیدل تھے ساتھ گھوڑوں سے اترے ہوئے سوار
آگے تھے اہتمام میں دس بیس چوبدار تھے پہلواں سلام کو باندھے ہوئے قطار
ظالم کے حکم میں سپہ شام و روم تھی
چاروں طرف سلامی کے باجوں کی دُھوم تھی

ابن سعد کمال نخوت سے اپنی جبروت و قہرمانیت کا اظہار کرتا ہے:-

حاکم ہوں میں سزا کا مجھے اختیار ہے
درّہ ہے بیڑیاں ہیں اسیری ہے دار ہے

تھرا رہے تھے سُنکے یہ تاکید خاص و عام چیں بر جبیں قریب گیا حُر نیکنام
دیکھا کیا شقی پہ نہ حُر نے کیا سلام ظالم سے کیا جھکے وہ خدا سے جسے ہو کام
چیں بر جبیں قریب جو وُہ شیر نر گیا
اللہ رے رعب حق پسر سعد ڈر گیا

ڈر کر کہا عمر نے کہ اے حُرّ نامور رَن میں سوار تیرے رسالے کے ہیں کدھر
کتنے جواں صفوں میں ہیں کتنے ہیں نہر پہ حُر نے کہا کہ اسکی مجھے کچھ نہیں خبر
دنیا میں زور اپنا ہے اور اپنا ہاتھ ہے
میں ہوں کسی طرف نہ کوئی میرے ساتھ ہے

بولا یہ بیحیا کہ نہ برہم ہو اے جری! اچھی نہیں یہ تند مزاجی یہ برہمی
حُر نے کہا عزیز نہ سر ہے نہ افسری میں وہ کرونگا جسمیں ہو ایماں کی بہتری

کیا اسکا ساتھ جس کی اطاعت گناہ ہو

حاکم ہو یا رئیس ہو یا بادشاہ ہو

ابن سعد نے جب حُر کے یہ تیور دیکھے تو ؎

کہنے لگا یہ حُر سے بہ نرمی وہ حیلہ ساز

قدرت سے ہے یزید کو تیری وفا پہ ناز

اور پھر اس طرح تسلی دے کر کہا کہ فتح کے بعد امید ہے کہ تو اور سرفراز کیا جائے اور ہاں ذرا یہ تو بتلا کہ ؎

کیوں برچھیاں حسینؑ پہ پہلے چلیں کہ تیر

حُر اس پر بھی خشک جواب دیتے ہیں کہ مجھ سے یہ باتیں نہ پوچھ

انساں کو اختیار ہے خود اپنے کام میں

مجھ کو شریک کرتا ہے قتلِ امام میں

انسان کی سرشت مختلف ہے ؎

احوال مختلف ہے شقی و سعید کا

عاشق کوئی حسینؑ کا کوئی یزید کا

لیکن اگر مجھ سے رائے لیتا ہے تو دیکھ حضرت امام حسینؑ پر یہ سختی مناسب نہیں ہے۔ ذرا غور تو کر :-

پانی مسافروں پہ بھی کرتا ہے کوئی بند

واللہ بے قصور ہے وہ شاہ ارجمند

اور ہاں :-

او سُست عقل پاس بھی تجھ کو کسی کا ہے
مجرم بھی ہو اگر تو نواسا نبیؐ کا ہے

یہ سُنکے ہو گیا پسر سعد شوم دنگ — غصّے سے اور تیز ہوا تیرہ رُو کا رنگ
بولا کدھر خیال ہے مجھ سے کریگا جنگ — ہوتا ہے حاکموں سے یہی گفتگو کا ڈھنگ
نامِ حسینؑ مُنہ سے نہ بس بار بار لے
کہدوں کہ کوئی تن سے ترا سَر اُتار لے

کیا جانتا نہیں کہ ہے اس نام سے عناد — دشمن سے کیسی دوستی اور کیسا اتحاد
حاکم سے دِل پھرا ہوا اوروں سے اعتقاد — ایسی سزا ملیگی کہ برسوں کریگا یاد
جانے دے جان جائیگی جانے میں کد نہ کر
اچھا یہی ہے گر تو کسی کی مدد نہ کر

ابن سعد کی اس گفتگو پر حُر کو طیش آتا ہے ؎

گر نامِ نامیِ اسدِ ذوالجلال لوں
اِنساں تو کیا ہے شیر کی آنکھیں نکال لوں
اِتنوں میں مجھ پہ ہاتھ تو ڈالے کوئی بھلا
کردوں لہو سے لال بیابانِ کربلا

عمر کہتا ہے کہ بار بار نامِ حسینؑ زبان پر نہ لا - حُر نے کہا کہ میں اس کو حرزِ جان سمجھتا ہوں - تو بندۂ یزید ہے اور مَیں خادمِ حسینؑ ہوں میں علانیہ کہتا ہوں کہ تیرے لشکر پر خدا کی لعنت ہے :-

بھولا ہے اپنی فوج کی کثرت پہ تُند خُو — نامرد میرے سر کو اتاریگا تن سے تو

کیا تیری اصل کیا ترا مُنہ او سیاہ رُو جرّار بادشاہوں سے کرتے ہیں گفتگو
کیا ڈر مجھے پسند ہو یا ناپسند ہو
مَیں حق پہ ہُوں زباں مری کسطرح بند ہو

حُر کہتے ہیں کہ امام حسینؑ سے لڑنے کی کس کی طاقت ہے۔ اُن کی فوج کا ایک جوان پُورے لشکر پر بھاری ہے ؎

چھوڑا ہے سیدوں نے کہیں آن بان کو
الٹیں جو آستین تو الٹ دیں جہان کو

یہ کہتے کہتے یکایک حُر حضرت امام حسینؑ کی جانب روانہ ہوتا ہے اپنی سابقہ روش پر نادم ہے۔ حضرت امامؑ کی فوج کے قریب پہنچکر کمال عجز و فروتنی سے پکار کر کہتا ہے ؎

اَے صاحبو غلام کو آنے کی راہ دو
صدقہ محمدؐ عربی کا پناہ دو

لازم ہے رہبری کہ مَیں گم کردہ راہ ہوں برسوں ہوئے کہ دشتِ خطا میں تباہ ہوں
رحمت کے تم محیط ہو مَیں پُر گناہ ہوں کس مُنہ سے نام عفو[1] کا لُوں رُو سیاہ ہوں
ڈالا تھا ہاتھ کیوں شہ والا کی باگ میں
میری یہی سزا ہے کہ جلوا دو آگ میں

درّے لگاؤ تن پہ کرو مجھ کو سنگسار راضی ہوں کھینچ دو جو شکنجے میں جسم زار
پھکوا دو تن سے کاٹ کے دستِ گناہگار پامال کردیں لاش کو لشکر کے سب سوار

[1] معافی ؛

رسّی بندھی ہو پاؤں میں اور تن پہ سر نہ ہو
یہ سب قبول ہے پہ عذابِ سقر نہ ہو
میں یوں نہ جاؤنگا مجھے ہمراہ لیچلو
راضی ہوں خواہ قتل کرو خواہ لیچلو
مجرم کو پیش سیّد ذیجاہ لیچلو
رسّی گلے میں باندھ کے للٰہ لیچلو
ارماں ہے صدقے ہونے کا حسرت نکالدو
سر کاٹ کر حسینؑ کے قدموں پہ ڈالدو

رو ئی یہ استغاثۂ حر سُنکے فوج شاہ
غل تھا عجیب صاحب ایمان ہے واہ واہ
اکبرؑ نے دی صدا کوئی روکے نہ اسکی راہ
اُترے فرس سے جلد شہنشاہ دیں پناہ
مشتاق ہو کے دلبر زہراؑ[1] رواں ہُوا
قطرے کی پیشوائی کو دریا رواں ہُوا

پھیلا کے ہاتھ یاں سے بڑھے شاہ سرفراز
قدموں پہ حر نے دَوڑ کے رکھا سر نیاز
سر لے کے دونو ہاتھوں پہ بولے شہ حجاز
بھائی ترے لئے درِ خلدِ بریں ہے باز
تو سہمگیں ہے کس لئے میں شرمسار ہوں
اٹھ کر گلے تو مل کہ بہت بیقرار ہوں

کیوں ہاتھ کس کے باندھے ہیں ہوتا ہوں میں خجل
اے بھائی دل کو کھول کے مجھ سے گلے تو مل
واللہ تجھ سے صاف ہے ابن علی کا دل
جو کچھ ترے قصور تھے سب ہو گئے بحل
کیوں تجھکو اتنی دہشت نارِ جحیم ہے
بھائی خدا کی ذات غفور و رحیم ہے

---

[1] دلبرِ زہرا سے مراد حضرت امام حسینؑ ہیں ؂

کیسا ہی پُرگناہ ہو عبد سیاہ رُو	توبہ کے بعد اُس کی بر آتی ہے آرزو
کافی بہانا اشک کا ہے اے خجستہ خو	ہے رحمت خدا سے دو عالم بہانہ جو

ناجی ہے اسکی راہ میں جو خاک ہو گیا
دریا سے جو قریب ہُوا پاک ہو گیا

امام حسینؑ اور حضرت عباسؑ اور حُر اپنے لشکر لے کر داخل ہوئے یکایک یزید کی فوج سے تیر آنے لگے - آپ کے رفقار نے لڑنے کی اجازت چاہی ساتھ ہی

کی عرض حُر نے قبلۂ عالم پناہ سے
کہ ؎	مولا ابھی کسی کو نہ اذن وغا ملے
پہلے نئے غلام کو رَن[1] کی رضا ملے

شہ نے کہا کہ واہ یہ جلدی یہ شوق جنگ	تیرا فراق شیشۂ دل کے لئے ہے سنگ
چلنے دے تیر کیوں متغیّر ہے تیرا رنگ	جانے میں عجلت اسقدر آنے میں یہ درنگ

پھر ارشاد کیا

جانا یہاں سے سہل نہیں ہم کو روک کے
جی بھر کے تجھکو دیکھ تو لیں اے وفا شعار	دنیا میں زندگی کا بھلا کیا ہے اعتبار
آنے میں تیرا شوق تھا اے میرے دوستدار	اب یاں سے جانے دینے میں ہے ہم کو اختیار

پہلے کا ذکر اب نہیں وہ بات اور تھی
یہ صحبت اور ہے وُہ ملاقات اور تھی

[1] رن بمعنی میدان جنگ ؞

حضرت امام کا کریمانہ اخلاق

ہنس ہنس کے آپ نے جو کئے حُر سے یہ کلام پھر جھک گیا قدم پہ وہ جرّار نیکنام
کی عرض جانے دیجئے مجھے سوئے فوج شام آقا اسی میں اب ہے سرافرازیِ غلام
دل کو یہ آرزو ہے کہ زخموں سے چُور ہوں
عزّت ہو گر ہراول فوج حضور ہوں

فرمایا شاہ نے یہی مرضی ہے گر تو خیر ہے تلخ زندگی کا مزا دوست کے بغیر
خالق تجھے نصیب کرے اس چمن کی سیر بھائی حسینؑ تجھ کو سمجھتا نہیں ہے غیر
تیری مفارقت کا نہایت ملال ہے
اللہ جانتا ہے جو کچُھ دل کا حال ہے

حضرت امامؑ اپنے اس نئے مہمان کی کوئی تواضع نہیں کر سکے۔ اسکی معذرت اس طرح فرماتے ہیں:۔

اس خاندان کے فیض سے واقف ہیں خاص عام
اور ہم نہ دے سکے تجھے پانی کا ایک جام

حُر جنگ کے تہیّہ سے یہ کہتا ہوا اٹھتا ہے

آلِ نبی سے مجُھ کو خدا سُرخرو کرے

یہ عرض کر کے شیر نے کھینچا فرس کا تنگ چڑھتے ہی مثلِ برق لگا کوندنے سمند
چہرہ ہوا وفورِ شجاعت سے لالہ رنگ سینے میں الفتِ شہِ دیں دل میں شوقِ جنگ
پرتو جو پڑ گیا تھا امام غیور کا
جلوہ تھا روئے پاک پہ ایماں کے نور کا

حُر کی نگاہ کے متعلق کہتے ہیں کہ

چتون وُہ قہر کی تھی کہ لاکھوں میں گر پڑے دیکھے جدھر یہ غیظ سے بجلی اُدھر گرے

اس کے بعد ارشاد کرتے ہیں کہ اشتیاق جنگ میں

پہنچا جو ہیں اُڑا کے نگاور کو وُہ دلیر نیزہ زمین میں گاڑ کے گونجا مثال شیر
زور آورانِ فوج ہُوئے اسکے ڈر سے زیر نعرہ یہ تھا کہ جنگ میں اب کس لئے ہے دیر
بجلی گریگی فوج پہ میری حسام سے
بڑھ کر لڑو امام اُمم کے غلام سے

اسی سلسلہ میں حُر کی تلوار کی چمک کا ذکر آتا ہے تو کہتے ہیں کہ

اک صاعقہ گرا کہ ضیا تا فلک گئی
ابر سیاہ شام میں بجلی چمک گئی

غازی ادھر بڑھا کہ ادھر طاقتیں گھٹیں سطرِ غلط کی طرح صفیں کی صفیں کٹیں
تلواریں مُنہ چھپانے لگیں برچھیاں ہٹیں شاخیں نہالِ کفر کی سب یک قلم چھٹیں
رو پوش مردمان جہاں دیدہ ہو گئے
ڈھالوں کے پھول برگ خزاں دیدہ ہو گئے

غصّے میں جسکو شیر نے ڈانٹا وہ مر گیا زوروں پہ جو چڑھا تھا سر اسکا اتر گیا
آیا کبھی ادھر کبھی لڑتا ادھر گیا خالی ہوئی یہ صف وہ پرا خوں میں بھر گیا
سارے علم زمیں پہ گرے کانپ کانپ کے
تیغیں چھپیں تھیں ڈھالوں میں مُنہ ڈھانپ ڈھانپ کے

لڑتا ہے وہ جو خاص غلامِ امام ہے — گرتی ہے برق شعلہ فشاں قتلِ عام ہے
بھاگیں کہاں سوار زرہ تن پہ دام ہے — تازی بھی زخمی ہو گئے ترکی تمام ہے
شعلے اُٹھے ہیں آتشِ شمشیر تیز کے
دوزخ کھلا ہے بند ہیں کوچے گریز کے

گرتی تھی تیغِ حُرّ جری جب مثالِ برق — پہونچوں سے ہاتھ اڑتے تھے اور گردنوں سے فرق
کوئی تڑپ رہا تھا کوئی تھا لہو میں غرق — کچھ اسمیں اور برق میں تھا مطلقاً نہ فرق
پیدل میں تھی نہ جان نہ دم شہسوار میں
ٹوٹی ہوئیں صفیں تھیں بھلا کس قطار میں

تلوار کی تعریف

پلٹی ادھر جگر سے تو سن سے ادھر چلی — عقدے کو سر کے کھول کے سوئے کمر چلی
زہرہ ہوا یہ اور طرف خوں میں تر چلی — غوطہ لگا کے ماہیِ بحرِ ظفر چلی
کوندی جو مثلِ برقِ شرر بار ہاتھ میں
دریا لہو کا پیر گئی چار ہاتھ میں

جس دل پہ تیغِ حُر دمِ جنگ و جدل گری — اُس غول میں یہ غُل ہوا برقِ اجل گری
جس صف پہ جس پرے پہ گری برمحل گری — اِک آن میں زمیں پہ وہ صف منہ کے بل گری
تھا قہرِ حق کا طور جری کی جدال میں
کشتوں کے پشتے لگ گئے دشتِ قتال میں

خاروں سے کربلا کا چمن صاف کر دیا — جس سے خلش تھی دل کو وہ بن صاف کر دیا
جاروب بن کے تیغ نے رن صاف کر دیا — آئینۂ زمین و زمن صاف کر دیا

کس صف میں کس پرے میں حُر باوفا نہ تھا
کوسوں زمیں پہ فوجِ ستم کا پتا نہ تھا

رزمیہ

نعرہ تھا ہاں اُل کے کوئی نوجواں لڑے — منظور جسکو ہوئے مرا امتحاں کرے
پسپا نہ ہوں میں آکے جو شیرژیاں لڑے — بھالوں کے نکلیں ہاتھ سناں سے سناں لڑے
غیرت جو ہو کسی کو تو پھر کیا درنگ ہے
ہاں گو یہی ہے اور یہی میدانِ جنگ ہے

بھالا ہلا کے فوج سے اک پہلواں بڑھا — مارِ سیاہ تھا کہ نکالے زباں بڑھا
بھالا بڑھا نہ تھا کہ حرِ نوجواں بڑھا — نعرہ کیا کہ او ستم آرا کہاں بڑھا
غازی نے جنگ کا ہنر اس کو دکھا دیا
مانندِ کلک نیزۂ دشمن اُڑا دیا

تیر و کماں کو لیکے بڑھا پھر وہ تیز دست — آواز دی اجل نے کہ ہاں دے اسے شکست
اللہ رے جری کی لڑائی کا بندوبست — بس ایک ہاتھ میں نہ انگوٹھا رہا نہ شست
آئی گئی وہ تیغ عجب رنگ ڈھنگ سے
چلّہ کماں سے اُڑ گیا اور پر خدنگ سے

پائی شکست فاش تو خفت کو ٹال کے — جھپٹا غضب سے تیغ و سپر کو سنبھال کے
دو تین ہاتھ سیف کے حُر نے نکال کے — پھل تیغ کا اڑا دیا اور پھول ڈھال کے
دشمن پہ گر کے رکتی ہے تیغِ اجل کہیں
قبضہ کہیں تھا تیغِ ستمگر کا پھل کہیں

گرزِ گراں اٹھا کے پکارا وہ نابکار
اس ضرب کو تو روک تو اے مردِ نامدار
آیا تھا گرز متصلِ سر کہ ایک بار
رد کر کے اسکا وار کیا حُر نے اپنا وار

بیٹھی جو ضرب تیغ دلاور عمود پر
مثل خیار کاٹ کے صاف آئی خود پر

دو کر کے خود کاسۂ سر تک اُتر گئی
سر سے گلے کو کاٹ کے بر تک اُتر گئی
تڑپی مثال برق جگر تک اُتر گئی
لے کر جگر کو صاف کمر تک اتر گئی

زیں سے رُکی نہ تنگ سے نہ زیر بند سے
بوسہ دیا زمیں پہ اتر کر سمند سے

حُر کے سینہ پر کسی نے نیزہ کا وار کر دیا ۔ حُر شدّت درد سے جھک گئے۔

جھکنا تھا بسکہ چلنے لگے برچھیوں کے وار
سر پہ تبر کمر پہ لگی تیغ آبدار
نیزوں کیساتھ تیر ہوئے پہلوؤں کے پار
گھوڑے سے گر کے شہ کو پکارا وہ جاں نثار

خادم جہاں سے جاتا ہے شاہا اب آئیے
وقتِ اخیر ہے شہِ والا اب آئیے

حُر کی یہ صدا حضرت امام حسینؑ کے کانوں میں پڑی تو

دوڑے یہ سنتے انکی طرف شاہ مشرقین
بھائی نہ مضطرب ہو کہ حاضر ہوا حسینؑ

پہنچے جو میہماں کے سرہانے امام پاک
اک آہ کر کے گر پڑے حضرت بروئے خاک
حُر نے سُنی جو شاہ کی آواز دردناک
قدموں پہ آنکھیں ملکے کہا رُوحنا فِداک

دیکھا جو وُہ اَٹا ہُوا[1] چہرہ غبار سے
زانوں پہ سر کو رکھ لیا حضرت[2] نے پیار سے

حُر اس آخری وقت میں حضرت امام سے درخواست کرتے ہیں کہ میرا وقت قریب ہے آپ میرے لئے دعائے خیر کریں۔

یہ کہا اور جان دے دی ؎

یہ کہہ کے آنکھیں پھیر دیں منکا بھی ڈھل گیا
دیکھا رُخِ حسینؑ کو اور دَم نکل گیا

جب رات عبادت میں بسر کی شہِ دیں نے
سجدوں میں مہم عشق کی سر کی شہِ دیں نے
دیکھا جو سپیدی کو سحر کی شہِ دیں نے
مڑ کر رُخِ اکبرؑ[3] پہ نظر کی شہِ دیں نے
فرمایا سحر قتل کی ظاہر ہوئی بیٹا
لو اُٹھکے اذاں دو کہ شب آخر ہوئی بیٹا

تلقینِ صبر

بندہ وہی جو دُکھ میں ہے صابر و شاکر
اک جاں ہے سو موجود ہے اک سر ہے سو حاضر
بہتر ہے اُٹھے جتنا سبکبار مسافر
یہ مرحلۂ عمر کی ہے منزلِ آخر
سجدوں سے نمازوں سے یہ رخصت کی سحر ہے
رونے کی تذلّل کی عبادت کی سحر ہے

---

[1] بھرا ہوا [2] حضرت امام حسینؑ سے مراد ہے [3] حضرت امام حسینؑ کے صاحبزادے ؏

یہ کہکے بڑھے بہرِ تیمم[1] شہِ صفدر — جنگل میں اذاں دینے لگا دِلبرِ سرور
وُہ صوتِ[2] حسن اور وہ خوش الحانیِ اکبرؑ — ہر شخص کو یاد آگئی آوازِ پیمبر
ہر نخل کو اک وجد تھا اُس ظلم کے بَن میں
تھا بلبلِ حق گو کہ چہکتا تھا چمن میں

آگے تھے عبا اوڑھے ہوئے شاہِ حجازی — پیچھے تھے صفیں باندھے ہوئے سارے نمازی
ابرارِ جہاں فخرِ زماں صفدر و غازی — تھی اُن پہ خدا کو نظرِ بندہ نوازی
دنیا میں یہ رُتبے نہ کبھی ہونگے کسی کے
معراج[3] میں تھے ساتھ حسینؑ ابنِ علیؑ کے

اس موقع پر میر انیسؔ نے اہل بیت اور رفقاء حسینی کی تصویر کیا خوب کھینچی ہے ؎

وُہ چاند سے چہرے وہ سپید انکی عبائیں
وہ خشک زبانوں پہ اثر دار دُعائیں

---

[1] پانی نہ ہونے پر وضو کے بجائے ہاتھ اور منہ پر مٹی مل لینے کو تیمم کہتے ہیں
[2] صوت بمعنی آواز اور حسن بمعنی نیک و خوب [3] رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق متفق روائتوں سے ثابت ہے کہ ایک شب حضرت کو تمام مقامات عرش و کرسی وغیرہ وغیرہ کی سیر کرائی گئی۔ بعض اسکے قائل ہیں کہ آپ معہ جسم تشریف لے گئے تھے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ روحانی معراج ہوئی۔ بعض عالم رویہ کا ایک واقعہ مانتے ہیں۔ یہاں معراج کے ذکر سے حدیث الصّلوٰۃ معراج المؤمنین کی طرف ایک اشارہ مقصود ہے یعنی مسلمان کی معراج نماز

لہجے کی تعریف میں کہتے ہیں ؎

لہجے وہ عرب کے وہ خوش اندازہ صدائیں

حضرت امام حسینؑ نماز سے فارغ ہو کر خیمہ میں تشریف لے گئے۔

رخصت ہوئے شبیرؑ[1] حرم سے جو بصد یاس   کاندھے پہ علم رکھ کے بڑھے حضرت عباسؑ[2]

مولاؑ[3] کے جگر بند مسلح تھے چپؔ راس   وہ رنگ وہ گلدستہ شبّرؑ کی بُو باس

اس کے بعد رعبِ فوجِ حسینی کی تصویر اس طرح کھینچتے ہیں :-

گھوڑوں کو اڑاتے ہوئے پہنچے جو وہ صفدرؑ   تھرا گیا مقتل میں ستمگاروں کا لشکر

ہر چند وہ دو لاکھ جواں تھے یہ بہتّر   تھا رعبِ حق ایسا کہ صفیں ہو گئیں ابتر

اس فوج کا مالک پسرِ شاہ نجف تھا

کثرت تو ادھر تھی پہ[4] خدا انکی طرف تھا

ناگاہ جفا کیشوں کی جانب سے چلے تیر   شہ کے رُفقا ہو گئے سب ست بہ شمشیر

گھبرا کے بڑھے چند قدم حضرتِ شبیرؑ   فرمایا کہ کیا ظلم ہے اے فرقۂ بے پیر

للہ کرو پاس رسولِؐ عربی کا

آخر میں نواسا ہوں تمہارے ہی نبیؐ کا

---

[1] حضرت امام حسینؑ کا لقب ہے   [2] حضرت امام حسینؑ کے سوتیلے بھائی

[3] حضرت امام حسینؑ مراد ہیں۔

[4] "پہ" یا "پر"، لیکن کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اب متروک ہے ؎

بیکس جو ہو چین اہل جہاں دیتے ہیں اس کو　　گھر چھوڑ کے جو آئے مکاں دیتے ہیں اس کو
لب تشنہ جو ہو آب رواں دیتے ہیں اسکو　　طالب جو اماں کا ہو اماں دیتے ہیں اسکو

مہمان سے یوں ترکِ مروّت نہیں کرتے
تم لوگ تو خالی بھی محبت نہیں کرتے

عمر ابن سعد جواب دیتا ہے - یزید کی بیعت کرو - اور اگر:-

"بیعت نہیں منظور تو پھر کھینچئے تلوار"

اسکے بعد لکھتے ہیں:-

اعدا سے یہ کہکر جو پھرے سیّد[1] خوشخو　　تھرّا گئے مظلومی حضرت پہ جفا جو
یوں تو نہ رہا دل پہ کسی شخص کا قابو　　آنکھوں سے مگر حُرؓ کی ٹپکنے لگے آنسو

مُنہ بھائی کا تکتا تھا کبھی گاہ پسر کا
بسمل کا جو عالم ہو وہ نقشا تھا جگر کا

خوفِ خدا

کانپا جو کئی بار وہ مولا کا فدائی　　ثابت ہُوا بیٹے پہ کہ سردی سی تپ آئی
بڑھکر کہا بھائی نے یہ کیا حال ہے بھائی　　تب حرّ جری نے اُسے یہ بات بتائی

سیّد پہ جفا ہوتی ہے مرجانے کی جا ہے
یہ خوفِ خدا ہے کہ بدن کانپ رہا ہے

---

[1] حضرت امام حسینؓ مراد ہیں ؎

شہزادہ کونین ہے وہ صاحب توقیر — بے جرم نبی زادے کے در پے ہیں یہ بے پیر
بیکس کے لئے تیز ہیں تیغ و تبر و تیر — کسطرح بچاؤں کوئی بنتی نہیں تدبیر
دو روز سے خاصانِ خدا تشنہ گلو ہیں
مظلوم کی اک جان ہے اور لاکھ عدو ہیں

بیٹے نے کہا آپ کو منظور ہے پھر کیا — بولا حُرِ دیندار کہ خوشنودیِ زہراؑ
ساتھ اُسکا میں دونگا کہ جو ہے بیکس و تنہا — فرزندِ نبیؐ نورِ خدا سیّدِ بطحا
یاں ظلم ہے ایماں کی اُدھر جلوہ گری ہے
تھوڑوں کا جو ہے ساتھ تو غامیں وہ جری ہے

بیٹے نے کہا شہ کی غلامی ہے سعادت — آنکھوں سے چلینگے کہ یہ ہے عین عبادت
بھائی نے کہا چھوڑیے حاکم کی اطاعت — کچھ ڈر نہیں بس اب کرو ترک رفاقت
مظلوم سے دو روز کے پیاسے سے لڑیں ہم
کیا خوب! محمدؐ کے نواسے سے لڑیں ہم

سو سر ہوں تو زہرا کے جگر بند پہ واریں — سو بیٹوں کو صدقے شہ والا پہ اتاریں
سو بار جبیں مر کے تو ہمت کو نہ ہاریں — دنیا کے لئے بندۂ مقبول کو ماریں
ہمراہی غدار و بد افعال پہ لعنت
دیں کھو کے جو ہاتھ آئے تو اس مال پہ لعنت

عبد حرِ غازی نے کہا تولکے شمشیر — گر لاکھ ہوں جانیں تو نثارِ سرِ شبیر
دنیا میں نہ ہوگا عمر سعد سا بے پیر — کہیے تو کروں اسکے مٹا دینے کی تدبیر

۱؎ حضرت امام حسینؑ مراد ہیں ٭

حافظ ہے خدا زور سے تلوار کے چلیے
اُس فوج میں چلیے تو اُسے مار کے چلیے

حُر مع برادر و فرزند و غلام عمر ابن سعد کے سامنے جاتے ہیں۔ مکالمہ ہوتا ہے اسکے بعد حر مع رفقا خیمۂ حسینؑ کی طرف رُخ کرتے ہیں۔

تھے چار جوان ہاتھ میں تولے ہوئے[1] شمشیر ... سنتا رہا چپکا سخن سخت وہ بے پیر
نعرہ کیا شیروں نے کہ یا حضرتِ شبیرؑ ... سیدھے گئے گھوڑے کہ کمانوں سے چلے تیر

چاروں کے فرس بھر کے طرارے نکل آئے
بدلی سے چمکتے ہوئے تارے نکل آئے

حُر خیمۂ حسینی کے قریب پہنچکر حضرت کی خدمت میں عفو تقصیر کی درخواست کرتے ہیں اور حضرت کے رحم و کرم کا ذکر کرتے ہوئے ایک گذشتہ واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں:-

اسدن بھی کرم قبلۂ عالم نے کیا تھا
ہیں وہ ہوں کہ پانی جسے حضرت نے[2] دیا تھا

حضرت نے سنا حُر کا جو یہ نالۂ جانکاہ ... خود ہاتھوں کو پھیلا کے پکارے شہِ ذیجاہ
آ آ مرے ہمدرد و مددگار و ہوا خواہ ... بھائی میں بڑی دیر سے تکتا تھا تری راہ

استادہ ہے کیوں دور تردد تجھے کیا ہے
پہلو میں جگہ ہے مرے دلمیں تری جا ہے

---

[1] تولے ہوئے - ایک خاص انداز سے اٹھائے ہوئے [2] کربلا میں داخلہ سے پہلے ایک مرتبہ حُر حضرت امام کو مع فوج ملے تھے اور حضرت کے پیاسوں کو پانی پلایا تھا۔

حضرت امام اپنے کیرکٹر کو کس عمدگی سے دکھاتے ہیں:-

دشمن بھی ہے دل میں کوئی کینہ نہیں رکھتے
کچھ جسمیں کدورت ہو وہ سینہ نہیں رکھتے

عزیزانِ امامؑ حُر کو استقبال کر کے ساتھ لاتے ہیں۔

مہمان کی عزت

اکبرؓ[1] نے لیا ہاتھ میں دستِ حُرِ ذیجاہ — عباسؓ[2] نے خود فرق پہ کھولا علمِ شاہ
قاسمؓ[3] تھے برادر کے برابر صفتِ ماہ — زینبؓ[4] کے پسر دونوں چلے بیٹے کہے ہمراہ

اکرام سے توقیر سے تعظیم سے لائے
مہماں کو بڑی عزت و تکریم سے لائے

اُحسَنتَ کی آئی جو صدا چار طرف سے — حضرت بھی بڑھے چند قدم فوج کی صف سے
ممتاز ہوا قربِ شہِ دیں کے شرف سے — لپٹا قدم لختِ دلِ شاہِ نجفؓ[5] سے

زردی جو گئی رنگ سرور آگیا مُنہ پر
نعلین پہ سر رکھتے ہی نور آگیا مُنہ پر

حُر کو حضرت امامؑ سینہ سے لگا کر تسکین دیتے ہیں:-

چھاتی سے لگا کر اُسے بولے شہِ والا — اب خوف ہے کیا دل ہے ترا کیوں تہ و بالا
خالق نے تجھے شام کی ظلمت سے نکالا — غفّار ہے راحم ہے گنہ بخشنے والا

---

[1] حضرت امام حسینؓ کے صاحبزادے [2] حضرت امام حسینؓ کے سوتیلے بھائی۔
[3] حضرت امام حسینؓ کے بھتیجے اور حضرت امام حسنؓ کے صاحبزادے [4] حضرت امام حسینؓ کی بہن [5] حضرت علیؓ سے مراد ہے۔

اوج اسکے لئے ہے جو جُھکا جاتا ہے بھائی
یہ عجز ہی اللہ کو خوش آتا ہے بھائی

شہ بولے کہ تھا رنج و تردّد ہمیں سحر سے   آرام کرو اب کھول کے ہتھیار کمر سے
مہماں نے یہ کی عرض شہِ جن و بشر سے   اب چین یہی ہے کہ لڑوں لشکرِ شر سے
دم بھر میں درِ رحمتِ غفّار کھلیں گے
ہو جائیگی بند آنکھ تو ہتھیار کھلیں گے

حضرت امامؑ کلماتِ ہدایت فرماتے ہیں :-

دنیا جسے کہتے ہیں وہ اک راہ گذر ہے   اکدم میں اُدھر ہے بشر اکدم میں اِدھر ہے
دیکھا جسے اسمیں وہ مہیّائے سفر ہے   رہنا ہے جہاں تا بہ ابد گھر وہی گھر ہے
سب جیتے ہی جی تک کا یہ قصّہ ہے برادر
حصّے ہیں ہمارے ترا حصّہ ہے برادر

واقعہ نگاری

کی دستِ ادب جوڑ کے مہماں نے یہ گفتار   بھوکا اسی نعمت کا ہے یہ عبدِ گنہگار
باتیں یہ یہاں تھیں کہ بڑھی فوجِ ستمگار   چلّوں سے ملے تیر علم کھل گئے اکبار
ڈنکے پہ ادھر چوب پڑی لشکرِ کیں[1] میں
تکبیر کے نعرے ہوئے فوجِ شہِ دیں[2] میں

عباسؑ نے کھولا علم فوجِ پیمبرؐ   جھومے صفتِ شیر جوانانِ دلاور
کی عرض بپدر سے علی اکبرؑ نے یہ بڑھکر   کیا حکم ہے تیر آتے ہیں اس فوج سے سرور

---

[1] غنیم کا لشکر   [2] امام حسینؑ سے مراد ہے

فرمایا کہ اب کیا ہے لڑو لشکر شر سے
بس دیر اسی کی تھی کہ سبقت ہو اُدھر سے

حُر کی منّت و سماجت پر حضرت علی اکبرؑ جناب امام کی خدمت میں اُن کی سفارش کرتے ہیں کہ انہی کو جنگ کرنے کا شرف مرحمت فرمایا جائے ۔

حضرت امام حسینؑ جواب دیتے ہیں :-

اللہ رے عجلت ابھی آنا ابھی جانا مشتاق محبت کو ہنساتے ہی رولانا
بے تابیِ تحصیل سعادت ہے یہ مانا سوچو تو کہ کچھ بھی ابھی گذرا ہے زمانا
کیونکر ہو کہ تلواروں سے بے دم تمہیں دیکھیں
یہ دیکھ لے جی بھر کے ہمیں ہم اسے دیکھیں

حُر کہتے ہیں :-

درسِ عبرت

کس پر ستمِ گردشِ دوراں نہیں ہوتا دنیا میں کسے صدمۂ ہجراں نہیں ہوتا
کس کو اَلمِ فرقتِ مہماں نہیں ہوتا ہے کونسا مجمع جو پریشاں نہیں ہوتا
دو مر کے رہیں ایک جگہ یہ بھی نہیں ہے
اک دوست کی ہے قبر کہیں ایک کہیں ہے

دولتِ ایمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں :-

یہ سب تو ملا اذن و دعا بھی مجھے دیجئے
پھیلائے ہوں دامن کو رضا بھی مجھے دیجئے

پھر کہتے ہیں :-

مجھ سے کوئی پوچھے تو کہ کیا لے کے چلا ہوں مقبولِ الٰہی کی دعا لے کے چلا ہوں

حضرت کی غلامی کا صلہ لے کے چلا ہوں کافی ہے ابد تک وہ عطا لے کے چلا ہوں

نام اسکا ہے بخشش یہ عنایت یہ مدد ہے،

رخصت نہیں آزادیِ دوزخ کی سند ہے

اندازِ بیاں

کی حُر نے فصاحت سے جو مداحیِ سرور تیور اکھالیا شرما کے سخی نے سرِ انور

اکبرؑ سے اشارے میں یہ فرمایا کہ دلبر کہدو کہ خوشی تیری اسی میں ہے تو بہتر

مداح کو جہاں کو بہادر کو صلا دو

آؤ یہ عبا لے کے مری حُر کو اڑھا دو

رخصت ہوا جب سبطِ نبیؐ سے حُرِ جرّار چومے قدمِ شاہ پھرا گرد کئی بار

تسلیم جو کی جھک کے تو بولے شہِ ابرار فرمایا خدا حافظ و ناصر مرے غمخوار

دنیا کے سعیدوں میں ترا نام ہو بھائی

عقبیٰ میں تجھے راحت و آرام ہو بھائی

اسکے بعد کہتے ہیں کہ :-

گھوڑے پہ چڑھا جب وہ بصد عزت و تمکین شادی سے ہوا اور شگفتہ تنِ سیمیں

اللہ رے ضیا اخترِ طالع کی جبین پر

آئینۂ خورشید چمکتا تھا زمین پر

حُر میدانِ جنگ میں پہنچکر رجز خوانی کرتے ہیں ۔ جنگ شروع ہوتی ہے ۔ حُر کے برادر و فرزند و غلام شہید ہو جاتے ہیں ۔ حُر پر عالمِ کیف طاری ہے ۔ میر انیسؔ نے اسکو کیا خوب دکھایا ہے ۔

چمکا کے فرس لڑنے لگا فوجِ گراں سے
مڑ کر بھی نہ دیکھا کہ گیا کون جہاں سے
اللہ رے جولان شہ دیں کی لڑائی — فرصت نہ سنبھلنے کی خطا کاروں نے پائی
اک برق گری تیغ چمک کر جدھر آئی — برباد کیا پھونک دیا آگ لگائی
پانی میں وہ آتش تھی کہ گھبراتے تھے اعدا
جلتے ہوئے دوزخ میں چلے جاتے تھے اعدا

معرکہ آرائی

چلے سے اگر تیر کوئی جوڑ کے نکلا — انبوہ سے شبدیز کو یہ موڑ کے نکلا
چو رنگ کے دو ہاتھ جدھر چھوڑ کے نکلا — جب شیر سا نکلا تو صفیں توڑ کے نکلا
تلوار چمکتی تھی صفِ لشکرِ کیں پر
گھوڑے کے کہیں پاؤں نہ تکتے تھے زمیں پر

معرکۂ کارزار

لشکر سے جو نکلا وہ قریب آ کے نہ ٹھہرا — تلوار کا اک وار کوئی کھا کے نہ ٹھہرا
چہرے پہ سیہ کار سپر لا کے نہ ٹھہرا — نامرد لڑائی کی جگہ پا کے نہ ٹھہرا
جم جائے جہاں کوہ وہاں کاہ سے کیا ہو
جب شیر کو غیظ آئے تو روباہ سے کیا ہو

حُر کی برش تیغ سے سپاہ غنیم کے سروں کے ڈھیر لگ جاتے ہیں اس منظر کو بیان کرتے ہیں ؎ سر پاؤں تلے پستے تھے بیدادگروں کے
ٹکرانے سے بال آ گئے کاسوں میں سروں کے

تلوار کی تعریف

بیحال عدو ہول کے مارے نظر آئے   جو گھاٹ پہ تھے گور کنارے نظر آئے
جب سن سے چلی صاف شرارے نظر آئے   جوہر کبھی چمکے تو ستارے نظر آئے
جو دشمن دیں تھا اُسے پہچانتی تھی وُہ
مغفر کو حباب لب جو جانتی تھی وُہ

گھوڑے کی تعریف

رہوار کی وہ چال وُہ تلوار کا چلنا   بھاگڑ وہ پیادوں کی صفوں کا وُہ کچلنا
غصے سیں وہ شبدیز کی آنکھوں کا ابلنا   کف مُنہ سے گرا کر وہ کنوتی[1] کا بدلنا
لڑنے میں سمجھتا تھا فرس دل کا اشارا
رہوار نے کچلا اُسے حُر نے جسے مارا

حُر کو فوج شام نرغہ میں لے لیتی ہے - حُر سخت مجروح ہو کر فرش خاک پر گر پڑتے ہیں - زخموں سے چُور - مرکب بھی راکب کا ساتھ دیتا ہے -

جب تک کہ جری پاؤں رکابوں سے نکالے   مہمان کے سینے پہ کئی چل گئے بھالے
خود سنبھلے کہ گرتے ہوئے گھوڑے کو سنبھالے   مرکب سے جو کودا تو بڑھے برچھیوں والے
دیکھا جو فرس نے مرا مالک نہیں زیں پر
اللہ رے وفا مر گیا گرتے ہی زمیں پر

[1] گھوڑے کے وہ تیور جس وقت کان کھڑے کر کے مائل بشوخی و تیزی ہوتا ہے ؛

عمر ابن سعد حُر کی اس دردناک حالت اور کس مپرسی پر طنزیہ جملے کرتا ہے۔ حُر اسوقت بھی جرات و ہمت سے جواب دیتے ہیں

گردن کو اُٹھا کر یہ پکارا حُرِ دیندار کیا ہرزہ درائی ہے یہ او ظالم غدّار
پاس آکے سخن کہہ تو سنوں میں تری گفتار زخمی ہوں مگر ہاتھ سے چھوٹی نہیں تلوار
بڑھتا نہیں یہ خوف و خطر طاری ہی تجھ پر
مرتا ہوں یہ مُردہ بھی مرا بھاری ہی مجھ پر

حُر بیہوش ہیں۔ حضرت امامؑ اور حبیب ابن مظاہر پہنچکر ہوش میں لاتے ہیں۔ حُر اپنے سر دینے پر اظہار فخر کر رہے ہیں کہ

بینا ہے تو خلعت کو نہ انعام کو دیکھے
عاقل اُسے کہتے ہیں جو انجام کو دیکھے

مُصوّری

یہ ذکر تھا ظاہر جو ہوئے موت کے آثار تن سرد ہوا زرد ہوئے پھول سے رخسار
دم بند ہوا کھول دیئے دیدۂ خونبار مڑکر سوئے شبیرؑ کراہا وہ نکوکار
بس دیکھ کے دیدار امامِؑ ازلی کا
رخصت ہوا مہمان حسینؑ ابن علیؑ کا

رُخصتِ شب

پھاڑا جو گریباں شبِ آفت کی سحر نے پردے میں چھپایا رخِ روشن کو قمر نے
پیمانہ خورشید لگا نور سے بھرنے گردوں سے سفر فوج کواکب لگی کرنے

تاباں جو رُخِ تیرِّ افلاک ہُوا تھا
ذرّوں سے زر افشاں ورقِ خاک ہُوا تھا

منظرِ صُبح

اظہار ہوئی خطِّ شعاعی کی جو تنویر روئے شبِ یلدا سے سیاہی ہُوئی تغیُّر
خورشید نے کی سورۂ والشمس کی تفسیر والفجر کی کرتا تھا تلاوت فلکِ پیر
پھیلا ہوا تھا نورِ سحر ارض و سما میں
مصروف تھی سب خلقِ خدا یادِ خدا میں

رُخصتِ شب

چمکا صفتِ شعلہ جو وہ مہرِ جہانتاب شبنم کی طرح سارے کواکب ہوئے بے آب
مائل بسپیدی ہوا رنگ رخِ مہتاب اور دیدۂ مردم سے سفر کرنے لگا خواب
طاقت نہ رہی شمع میں سوزِ جگری کی
پروانے سے رخصت تھی چراغِ سحری کی
پہنچی جو گلستاں میں صبا خاک اُڑاتی غنچوں کے دھڑکنے لگے دل شق ہوئی چھاتی
تھی بلبل خوش نغمۂ گلوں کو یہ سُناتی گلزارِ محمدؐ پہ خزاں آج ہے آتی
باغی تبر و خنجر و کیں لے کے چلے ہیں
کٹ جائینگے وہ نخل[1] جو پھُولے نہ پھلے ہیں

طیاریِ جنگ

عالم میں تو آغاز ہوئی صبحِ غمِ انجام ہونے لگی میداں میں صف آرا سپہ شام

---

[1] یعنی بچے اور بن بیاہے نوجوان بھی قتل ہو جائینگے ؛

آراستہ کرتا تھا ہر اک خود سر و خود کام　　گرز و تبر و تیر و سناں خنجر و صمصام

تھے لافِ زناں باندھے ہوئے تیغ و سپر کو

قتلِ شہِ[1] مظلوم پہ کستے تھے کمر کو

مناقب رفقائے حسینی

تھے جمع ادھر بھی درِ مولا پہ موالی　　ہاتھوں پہ نشاں سجدے کے چہروں پہ بحالی

دل صبر سے معمور شکایت سے تھے خالی　　کیا حلم تھا کیا زہد تھا کیا ہمّتِ عالی

ہوتے تھے فدا نام پہ فرزندِ نبیؐ کے

وہ عاشقِ صادق تھے حسینؑ ابنِ علیؑ کے

اندازِ بیاں

قانع تھے مجاہد تھے شجاعِ ازلی تھے　　ہشیار تھے اور مستِ مئے حُبِّ علیؑ تھے

پروانۂ شمعِ حرمِ لم یزلی تھے　　حقا کہ ولی تھے وہ ولی تھے وہ ولی تھے

پیدا نہ کئے مالکِ تقدیر نے ویسے

دیکھے نہ جواں پھر فلکِ پیر نے ویسے

جذبۂ وفاداری

جس جا پہ گرے سبطِ پیمبر کا پسینہ　　خون اپنا گرا دیں یہ وہاں گر ہو قرینہ

تیغ آئے جو سر پر تو سپر کر دیں یہ سینہ　　آتش میں گریں حکم جو دیں شاہِ مدینہ

تنہا شہِ مظلوم کا مدفن نہیں چھوڑا

مر کر بھی تو شبیرؑ کا دامن نہیں چھوڑا

---

[1] حضرت امامؑ سے مراد ہے ؎

سلاست و اندازِ بیاں

کہتا تھا کوئی وقت پھر ایسا نہ ملے گا   یہ فوج یہ میدان یہ دریا نہ ملے گا
ڈھونڈھوگے جو دنیا میں تو کیا کیا نہ ملیگا   پر فاطمہ کے لال سا آقا نہ ملے گا

کیا غم ہے اگر پانی سے ناکام رہینگے
گر آج مرے حشر تلک نام رہینگے

جتنے بھی کہ وابستۂ شاہنشہِ دیں ہیں   دریائے شرافت کے وہ سب دُرِ ثمیں ہیں
پروردۂ آغوش شہ عرش نشیں ہیں   سردار ہیں ابرار ہیں ارباب یقیں ہیں

دکھلائے دمِ حرب ہنر شیر خدا کے
جوہر تھے ہر اک تیغ میں شمشیرِ خدا کے

ہمشکلِ محمدؐ سا جو اں حسن میں نایاب   خورشید کو آنکھ اس سے ملانیکی کہاں تاب
زیور کی طرح تن پہ سجے جنگ کے اسباب   رخسارۂ انور پہ تصدق گلِ شاداب

گیسوئے معنبر رخِ زیبا پہ پڑے تھے
محبوبِ خدا جنگ پہ آمادہ کھڑے تھے

خورشید سے چہرے پہ جو بل کھاتے تھے گیسو   بجلی سی چمک جاتی تھی میدان میں ہر سو
آئینہ کو نظارے کا اس رُخ پہ ہو کیا رُو[1]   چشمِ شہ خاور میں بھرے آتے ہیں آنسو

عارض کبھی ہوتے نہیں اس حسن و صفا کے
کیا ایک سے دو آئینہ ہیں نورِ خدا کے

---

[1] اردو محاورے کو فارسی میں ادا کیا ہے - اُردو میں جس موقع پر بولتے ہیں اسکی مثال "زید کا کیا منہ ہے جو عمر کا مقابلہ کرے" یعنی زید کا کیا حوصلہ ہے ؛

بچّوں کا جذبۂ ایثار

کیا دبدبۂ عون و محمد کروں تحریر، چھوٹی سی تو عمر، پہ بڑے صاحبِ توقیر
کاندھے پہ دھرے نیمچے کرتے تھے یہ تقریر پہلے ہمیں ہو وینگے نثارِ سرِ شبیر[1]
رو کے ہمیں کیا لشکرِ بے پیر کی طاقت
دکھلائینگے ہم فاطمہؑ کے شیر کی طاقت

بچّوں کا جوشِ انتقام

تھی مسلمِ بیکس کی یتیموں کی عجب شان منہ چاند سے شکلِ مہِ نو چاک گریباں
فرماتے تھے جبتک کہ یہ کوئی نہ ہوں بےجان پھوٹینگے دلوں کے نہ پھپھولے کسی عنواں
سر لاکھ میں شمشیر سے کاٹینگے عمر کا
لینا ہے ہمیں آج عوض خونِ پدر کا

اعلیٰ اخلاق

ڈیوڑھی پہ عزیز و رفقا میں تھی یہ تقریر تھے خیمہ میں مصروفِ عبادت شہِ دلگیر
آنکھوں کے تلے پھر رہی تھی موت کی تصویر تسبیح زباں پر تھی کبھی اور کبھی تکبیر
روتے تھے حرم شکر خدا کرتے تھے حضرت
ہر سجدے میں اُمّت کی دُعا کرتے تھے حضرت

جذباتِ غم

نقارۂ رزمی لگے اشرار بجانے یاں سجدۂ آخر کیا شاہ شہدا نے
حضرت کی بہن کے نہ رہے ہوش ٹھکانے بانو لگی گھبرا کے سکینہ کو جگانے

---

[1] لیکن کے معنوں میں متروک ہے ؛

سیدانیوں کی غم سے عجب شکل بنی تھی
واں[1] طبل و غا بجتا تھا یاں سینہ زنی تھی

حضرت امام حسینؑ حضرت زینبؑ سے رخصت ہونے کے لئے آمادہ ہیں ۔ حضرت زینب کہہ رہی ہیں :-

بہن کی محبت بھائی کیساتھ

جس خواہر دلخستہ کا ہو ایک ہی بھائی — کس طرح گوارا ہو بھلا اسکی جدائی
کیوں آپ نے ڈیوڑھی پہ سواری ہے منگائی — ہیں لُٹنے نہیں دینے کی زہراؑ کی کمائی

سر دینے کو لشکر میں نہ اشرار کے جاؤ
جاتے ہو جو مرنے تو مجھے مار کے جاؤ

حضرت امام حسینؑ تلقین صبر فرماتے ہوئے اسطرح کہتے ہیں :-

یہ سچ کہ مرا داغ نہیں تم کو گوارا — اور مجھ سے زیادہ تمہیں کوئی نہیں پیارا
عاجز ہیں نہیں مرضی تقدیر سے چارا — اسمیں بھی بہن بس ہے ہمارا نہ تمہارا

بن بھائی کے ہو تو یہی مرضی خدا ہے
زینبؑ تری قسمت میں مرا داغ لکھا ہے

جذباتِ غم

تقریرِ شہ تشنہ سے زینبؑ ہوئی ناچار — روتی گئی اور لائی لباسِ شہ ابرار
پوشاک بہن شہ نے سجے جنگ کے ہتھیار — حضرت کو تھے گھیرے ہوئے سب غیرتِ گلزار

[1] "واں - یاں" وہاں - یہاں کی جگہ متروک ہے ۔

پکڑے ہوئے دامن کو سکینہ تو کھڑی تھی
بانو قدم شاہ پہ بیہوش پڑی تھی

جذباتِ غم

حضرت نے کہا قدموں سے سر اسکا اٹھا کر　　بس صبر کر اب صبر کر اے بانوئے مضطر
دنیا میں کوئی دم کا ہے مہمان علی اکبرؑ　　اب اپنے مسافر کو ذرا دیکھ لے دم بھر
اب خاک میں بانو ترا اقبال ملے گا
چھانے گی جو دنیا تو نہ یہ لال ملے گا

بیوی کا جذبۂ ایثار

تب بانو نے بیٹوں کے پکڑ ہاتھ بصد یاس　　حضرت سے کہا دولتِ دنیا تو نہیں پاس
دولت یہی ہے اور یہی امید یہی آس　　صدقے انہیں کرنے میں ہمیں کچھ نہیں وسواس
میداں میں یہ حضرت کی بلا لے کے مرینگے
ہم نذر انہیں دیں کہ یہ سر نذر کرینگے

عورتوں کا جذبۂ ایثار

ان سب سے کہا شاہ نے با خاطرِ ناشاد　　میرے لئے ضائع نہ کرو دولتِ اولاد
کی بیبیوں نے عرض بصد نالہ و فریاد　　زہراؑ[1] کی تو بستی لٹے اور ہم رہیں آباد
یہ امر کسی طرح گوارا نہ کریں گے
ان پیاروں کو ہم آپ سے پیارا نہ کرینگے

---

[1] حضرت فاطمہ کا دوسرا نام ۔

تب شہ نے بہن سے کہا اے خواہرِ غمخوار — یہ سب ہیں مرے ساتھ فدا ہونے کو تیار
ہر چند تجمّل تو مجھے کچھ نہیں درکار — پر چاہئے اس فوج کا ہو کوئی علمدار
منظور مجھے ہے کہ اکیلا ہی مروں میں
اب جسکو کہو اسکو علمدار کروں میں

اندازِ بیاں

زینب نے کہا آپ امامِ دو جہاں ہیں — ہر شخص کے مختار ہیں اور مرتبہ داں ہیں
جو جسکے مراتب ہیں وہ حضرت پہ عیاں ہیں — انہیں تو کوئی غیر نہیں سب دل و جاں ہیں
بابا کے مرقع کے ورق سب جزو کل ہیں
اک نخل کے میوے ہیں او اک باغ کے گل ہیں

منگوایا علم سنکے یہ شاہِ شہدا نے — صف بستہ برابر ہوئے سب شہ کے یگانے
جسطرح کہ ہوں رشتۂ تسبیح میں دانے — اک ایک لگا شاہ کو شان اپنی دکھانے
امید علم داری میں سب چھوٹے بڑے تھے
عباسؑ بھی نہوڑائے[1] ہوئے سر کو کھڑے تھے

عباسؑ کو حضرت نے کیا پیار بلا کر — اور کاندھے پہ رکھا علمِ شافعِ محشر
فرمایا مبارک ہو تمہیں منصبِ جعفر — اس غازی نے نہوڑا دیا سر شہ کے قدم پر
کی عرض کہ خادم پہ یہ الطاف و کرم ہے
مولا کی غلامی کا شرف کیا مجھے کم ہے

---

[1] نہوڑائے ہوئے۔ جھکائے ہوئے:

معصومانہ جذباتِ رشک

اس وقت ہوئی عون و محمدؐ کو عجب یاس   آنکھوں میں بھرے اشک گئے والدہ کے پاس
کی عرض علمدار ہوئے حضرتِ عباسؑ   کوتاہیِ قسمت نے ہمیں کر دیا بے آس

لختِ جگر جعفرِ طیار تو ہم تھے
اس منصبِ والا کے سزاوار تو ہم تھے

پاسِ ادب

لیجا کے الگ بیٹوں کو تب زینبؑ ناچار   کہنے لگی یہ بات مناسب نہیں زنہار
آقا کی اطاعت تمہیں لازم ہے کہ تکرار   واری ہیں امام دو جہاں مالک و مختار

احکام الٰہی میں کسے دخل کی جا ہے
شبیرؑ وہ کرتے ہیں جو مرضیِ خدا ہے

بہن کی محبّت

نرغے میں ہے افواجِ ستم کے مرا بھائی   دو روز سے اک بوند نہیں پانی کی پائی
پائی نہ علمداری تو غیرت تمہیں آئی   تم پر تو مرے بھائی نے دولت ہے لٹائی

ماں کہتی ہے اس بات کا غم چاہیے تم کو
ماموں کی مصیبت کا الم چاہیے تم کو

بس چپ رہو اس بات سے کوئی نہ ہو آگاہ   منصب کے ہو طالب مجھے معلوم ہوا آہ
دیکھو کہے رکھتی ہوں جو آزردہ ہوئے شاہ   تو دودھ نہ بخشونگی نہ بخشونگی میں واللہ

یاس - ناامیدی - الم - غم - آگاہ - واقف - کوتاہی قسمت - قسمت کی برائی

یتیموں کا ایثار

فرزندوں کو سمجھاتی تھی یہ زینبؑ مضطر ہو کر پڑے مسلم کے پسر آکے قدم پر
رو کر کہا اے سیّدِ کونین کی خواہر مظلوم ہیں ہم باپ ہمارے نہیں سر پر
خواہش ہے کہ پہلے قدم شاہ پہ سر دیں
کہدیجے کہ لشکر کا ہراول ہمیں کر دیں

ہے باپ کا حال آپ کو معلوم مفصّل وہ لشکرِ اسلام میں ہیں کشتۂ اوّل،
ہم تو یہ نہیں کہتے کہ اوروں سے ہیں افضل ذی حق ہیں کہ ہوں فوجِ حسینی کے ہراول
اس عہدے کی امید میں بیتاب ہیں کب سے
کر سکتے نہیں عرض مگر پاسِ ادب سے

حضرت زینبؑ فرزندانِ مسلم کی سفارش حضرت امام کی خدمت میں کرتی ہیں۔ حضرت عذر فرماتے ہوئے کہتے ہیں :-

بیٹوں سے بھی پیارے ہیں مجھے دونوں یہ دلبر باپ انکا رفاقت میں میرے ہو گیا بے سر
عہدہ یہ انہی کے لئے کرنا ہے مقرر پر مرضیِ معبود میں کیا دخل ہے خواہر
ہاں ایک طرح کشتۂ اوّل یہی ہونگے
سب میرے عزیزوں کے ہراول یہی ہونگے

یہ کہہ کے چلے سرورِ دیں پڑ گیا ماتم دروازے تلک روتی گئیں بیبیاں باہم
خیمے سے بر آمد ہوئے شاہنشہِ عالم خم ہو گئے مجرے کو رفیقانِ معظّم
اسوار ہوئے جبکہ شہنشاہِ حجازی
رانوں تلے جوں برق تڑپنے لگا تازی

زورِ بیان

اس شان سے میداں میں جو پہنچے شہ ابرار
مصروفِ صف آرائی ہوا شہ کا علمدار
ہر چند بہت کم تھے شہ دیں کے مددگار
پر شہرۂ آفاق ہر اک پیدل و اسوار
طینت میں وفا رخ پہ شجاعت کے اثر تھے
گنتی میں بہتر تھے مگر لاکھ پہ ور تھے

فوجِ پسرِ سعد سے ناگاہ چلے تیر
اسلام کے لشکر میں ہوا نعرۂ تکبیر
یہ دیکھ کے رنگِ رخِ حُر ہو گیا تغیّر
دل سے کہا بتلا کہ میں اب کیا کروں تدبیر
بے جرم و خطا ابن شہنشاہ[1] نجف ہے
واللہ کہ حق سبط پیمبر کی طرف ہے

دل نے کہا حقا کہ تری راست ہے تقریر
کچھ فاطمہؑ کے لال کی اصلا نہیں تقصیر
اے حُر تو اگر آج ہوا فدیہ شبیرؑ
دنیا میں بھی توقیر ہے عقبیٰ میں بھی توقیر
تاخیر نہ کر اب طرف خیر عمل چل
جنّت کا وہ رستہ ہے جہنّم سے نکل چل

غازی کو خوش آئی دلِ آگاہ کی گفتار
نعرہ کیا مردانہ کہ یا حیدرِ کرّار
مہمیز کیا اسپِ فلک سیر کو اک بار
نکلا صفتِ برق صفیں چیر کے رہوار
ہاتف کی صدا آئی کہ فردوس قریں ہے
دو لاکھ میں یہ ایک جوان صاحبِ دیں ہے

---

[1] حضرت علی سے مراد ہے ؛

اعلیٰ اخلاق

مہماں کو جو ہیں آتے ہوئے دُور سے دیکھا
اللہ رے لطف و کرم سیّدِ والا
اے بھائی ہے مہماں مرا دھوپ میں آتا
عبّاس سے فرمانے لگے دلبرِ زہراؑ!
عزّت سے یہاں حُرؔ وفادار کو لاؤ
سایے میں علم کے مرے غمخوار کو لاؤ

حُر حاضر ہو کر عفوِ تقصیر کی درخواست کرتے ہیں۔ حضرت بکمال محبّت معاف فرماتے ہیں۔

چومے کئی بار پی قدمِ ابنِ یداللہ[۱]
اس مژدۂ جاں بخش سے جب حُر ہُوا آگاہ
اب اذنِ وغا دیجیے تو جاؤں سوئے جنگاہ
اور جوڑ کے ہاتھوں کو یہ کی عرض کہ یا شاہ
اس راہ میں دُنیا سے گزرنے کی ہوس ہے
جینے کی ہوس کچھ نہیں مرنے کی ہوس ہے

جی بھر کے ابھی تو تجھے دیکھا نہیں بھائی
شہ نے کہا کیوں جلد ہے منظور جدائی
کچھ تو نے اودھر آنے کی لذّت نہیں پائی
افسوس ہے کس وقت میں قسمت تجھے لائی
غربت زدہ ہوں بیکس و مظلوم و حزیں ہوں
میں آج تو مہمانی کے قابل بھی نہیں ہوں

غم انگیز

اتنا نہیں ممکن کہ کریں پانی سے لب تر
شرمندہ بہت تجھ سے ہیں اے حُرِ دلاور
دم توڑتا ہے پیاس سے گہوارے میں اصغر
ہے ساتویں تاریخ یہ فاقہ مرے گھر پر

---

[۱] یعنی حضرت امام حسینؑ۔ یداللہ حضرت علی کا خطاب ہے۔

راحت مجھے یہ ظلم کے بانی نہیں دیتے
کھانے کا تو کیا ذکر ہے پانی نہیں دیتے

لپٹا کے اسے چھاتی سے روئے شہِ ابرار — فرمایا کہ ناچار ہوں اے مرے غمخوار
آداب بجالا کے چلا حرؑ وفادار — جاتے ہی پکارا وہ کہ اے قوم ستمگار
دعویٰ ہو شجاعت کا جسے نکلے وہ صف سے
میں آیا ہوں لڑنے شہِ والا کی طرف سے

گھبرا کے پکارا عمرِ سعد ستمگر — کیا سحر حسینؑ ابن علیؑ چل گیا تجھ پر
کچھ شام کے حاکم کا بھی تجھکو نہ رہا ڈر — سردار کے دشمن کی طرف ہو گیا جا کر
اس امر سے باز آ کہ ہلاکت کے قریں ہے
کچھ پاس نمک کا بھی تجھے ہے کہ نہیں ہے

حرؑ جواب دیتے ہیں :-

کچھ حاکمِ فاسق کی حقیقت نہیں او شوم — حاکم تو ہے اللہ کہ سب جسکے ہیں محکوم
ہوں اسکا طرفدار جو ہے عاشق قیوم — فرزند نبیؐ نورِ خدا طاہر و مخدوم
فاسق[۱] کی منافق کی رفاقت نہیں جائز
ایمان پدر کی بھی حمایت نہیں جائز

جوشِ ایثار

آقا کی غلامی ہے مرے واسطے معراج — پاپوشِ حسینؑ ابن علیؑ ہے مرا سر تاج
تو بادشہ خلق کو بتلاتا ہے محتاج — لٹتی ہے ادھر نعمت فردوس بریں آج

[۱] گنہگار ۔

ممکن ہے کہ میں رہبر عالم سے جُدا ہوں
سو بار جیوں مر کے تو سو بار فدا ہوں

ہنگامہ آرائی

یہ کہہ کے دھنسا لشکرِ روباہ میں وہ شیر   بے سر ہوئے سردار زبردست ہوئے زیر
ہر سو تنِ بے سر سرِ بے تن کے ہوئے ڈھیر   چلاتے تھے اشرار یہ بجلی ہے کہ شمشیر
اس صاعقہ کے سایہ سے جل جانیکا ڈر ہے
آبِ دمِ شمشیر میں آتش کا اثر ہے

تلوار کی تعریف

جب نام خدا لیکے لگاتا تھا وہ تلوار   دو کرتا تھا دشمن کو معہ راکب رہوار
جس شامی کو للکارا کہ آیا میں خبردار   وہ بھاگ گیا سامنے سے پھینک کے تلوار
آہن میں نہاں سامنے جو دشمنِ دیں تھا
سر اسکا کہیں خود کہیں جسم کہیں تھا

نزدیک جو تیغ آئی تو سر تن سے ہوا دور   رَن زندوں سے خالی تھا مگر نعشوں سے معمور
گھوڑوں کی نگاپو میں جو گرتے تھے مقہور   چار آئینہ ہو جاتے تھے شیشوں کی طرح چور
غل تھا کہ بجھے جاتے ہیں دل اسکی چمک سے
تلوار نہیں بجلیاں گرتی ہیں فلک سے

میدانِ جنگ کا نقشہ شاعرانہ مبالغہ کے ساتھ کیا خوب دکھایا ہے

تھا قلزم خوں جوش میں ڈوبی ہوئی تھی فوج
آتے تھے نظر دست بریدہ صفتِ موج

پھر کہتے ہیں :-

خوں میں جو بدن غرق تھے بیداد گروں کے
بہتے تھے حبابوں کی طرح خود سروں کے

حُر آوازِ حضرتِ امامؑ سُنکر اس طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ناگاہ زخمِ کاری کھاکر گر پڑتے ہیں -

واقعہ نگاری

بس گرتے ہی پڑنے لگی تلوار پہ تلوار	زخموں سے ہر اک عضو بدن ہوگیا گلزار
چلایا کہ مولا مجھے دکھلائیے دیدار	یہ سُنکے سراسیمہ چلے سیّدِ ابرار
حُر کے لئے بیتاب امامِ دوجہاں تھے
آنسو شہِ مظلوم کی آنکھوں سے رواں تھے

رہتی پہ جو مہماں کو تڑپتا ہوا پایا	آغوش میں لیکر اُسے چھاتی سے لگایا
رومال سے چہرے کا غبار اسکے چھڑایا	قبلہ کی طرف زانو پہ سر رکھ کے لٹایا
رو رو کے یہ فرماتے تھے زانو کو ہلا کر
اے بھائی حسینؑ آیا ہے تو چشم تو وا کر

حُر پہ عالم نزع طاری ہے - ان پر جو حالت گزری اس کو انتہائی شاعرانہ انداز کے ساتھ دکھایا ہے - حضرت حُر اسطرح کہتے ہوئے دنیا سے رُخصت ہو جاتے ہیں۔

پاکباز کی موت

وہ فاطمہؑ آئیں شہِ خیبر شکن آئے	آپ آئے حسن آئے رسولِ زمن آئے

سب کام مرے آپ کے صدقے سے بن آئے　　سب مشکلیں آسان ہوئیں پنجتن آئے

اب رُخ سوئے خلد بریں جاتی ہے آقا
کچھ نیند سی خادم کو چلی آتی ہے آقا

اردو مرکز لاہور

حضرت مونس

میر مونس لکھنوی

حضرت امام حسینؑ کے جنگجو ہمراہیوں کی بزم آرائی کو بیان کرتے ہیں:-

بعضوں کا وہ شباب تو بعضوں کے بچپنے　　کینڈے[1] وہ ورزشوں کے وہ سینے کھنچے ہوئے
وہ بانکپن وہ جوشش جوانی وہ طنطنے　　آئیں جلال میں تو نہ شیروں سے کچھ بنے
دل تھے جدال راہ خدا میں لڑے ہوئے
قبضوں پہ ہاتھ ابروؤں[2] پر بل پڑے ہوئے

اس بند کا پہلا مصرع جنگجو بہادروں کی شان کے مناسب نہیں، البتہ دوسرے شعر میں شان جلاوت و شجاعت کا نقشہ خوب کھینچا ہے:-

گل پیرہن کوئی کوئی گلرو کوئی حسیں　　یوسف جمال کوئی کوئی انمیں مہ جبیں
الٹے ہوئے قباؤں کی تا مرفق[3] آستیں　　وہ زور ہاتھ میں کہ الٹ دیں[4] ابھی زمیں
طاقت جو دیکھ لی ہے کسی نوجوان کی
ابتک جھکی ہوئی ہے کمر آسمان کی

تھے اک طرف جواں تو کہیں کم سنوں کا غول　　بر میں قبائیں چست نہ چنمیں شکن نہ جھول
بازو بھرے بھرے تھے تو مونڈھے تھے گول گول　　کہتے تھے دمبدم یہی تیغوں کو تول[5] تول

[1] کینڈے - انداز - ہندی ہے [2] ابرو پر بل پڑنا - طیش میں آنا [3] مرفق - کہنی - آستین کہنیوں تک الٹنا - کسی کام کے لئے آمادہ ہونا [5] تیغوں کو تول تول - تیغوں کو تول تول کر ۔

جانے نہ پائے ہاتھ سے قبضہ ترائی کا
ہاں اے بہادرو یہ ہے موقع لڑائی کا

میدان میں کھڑے ہوئے غازی جملے صف
قدسی درود پڑھ کے پکارے زہے شرف
آیا بقصد شکوہ جو ابنِ شہِ نجف
خم ہو گئے ادب سے دلیران سر بکف
دیکھا نگاہ یاس سے شاہِ[1] انام نے
لے کر سلام سب کو دعا دی امام نے

(اسوقت حضرتِ عباسؑ امام سے کہتے ہیں:-

لشکر کا کر چکا یہ غلام آج انتظام
گذرے ملاحظہ سے تو ہو مطمئن غلام
دل آپ کی طرف ہیں نظر سوئے فوج شام
آپس میں کر رہا ہے یہ ایک ایک سے کلام
نامرد ہے بڑھے جو سہارے سے ڈھال کے
بھالوں کو تان لو پہ ذرا دیکھ بھال کے

بھائی سے مسکرا کے یہ بولے امام دین
ہیں جاں نثار دل سے یہ شیران خشمگیں
نزدیک ہے جدال مقابل ہے فوج کیں
عرصہ نہیں ہے جنگ میں کچھ دیر اب نہیں

اتنے میں حُر سامنے سے آتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ شاعر اس واقع کو اسطرح نظم کرتا ہے:-

حُر کی آمد۔

باتیں ابھی یہ کرتے تھے شاہِ فلک وقار
ناگاہ سامنے سے نمایاں ہوا غبار
دیکھا بغور حبیب تو ہوا راز آشکار
اک شہسوار آتا ہے چمکاتا راہوار[2]

---

[1] شاہ انام۔ مخلوق کے بادشاہ۔ امام حسینؑ مراد ہیں۔ [2] گھوڑا "چمکاتا ہوا" گھوڑا دوڑاتا۔

رنگِ بہارِ چہرۂ تاباں ہے جوش پر
رکھا ہوا ہے نیزہ سرِ تیز دوش پر

دو چار گام بڑھ کے رُکا جب وہ ارجمند — تکنے لگے یہاں سے جوانانِ حق پسند
عباسؑ نامدار بڑھے چھیڑ کر سمند — منظور تھا سناں پہ اسے کیجئے بلند
سر کاٹیے عدوئے شہِ مشرقین کا
اب آگے آنے پائے نہ دشمن حسینؑ کا

چاہا تھا یہ کہ ٹوک کے کیجے سناں کا وار — ناگہ[1] پکارے شاہِ امم ہو کے بیقرار
ہاں ہاں یہ کیا یہ کیا مرے عباسِ نامدار — کرتے ہو کیا غضب مری جاں تم پہ ہیں نثار
پہچانتے نہیں ہو تم اس نوجوان کو
کوئی بھی روکتا ہے بھلا میہمان کو

پاس آکے بولے حضرتِ عباسِ باکمال — حر تو کہیں نہیں ہے یہ آفاطمہؑ کے لال
بولا یہ ہنس کے تب پسرِ شیرِ ذوالجلال — اب سمجھے آپ ہاں یہ وہی ہے نکو خصال
جس نے ہمیں کل اُن کے روکا تھا راہ میں
آیا وہ آج سبطِ نبی کی پناہ میں

حضرت امام حسینؑ حرؑ کو آتے دیکھ کر حضرت عباسؑ سے فرماتے ہیں:-

کیا خوشنما ہے دوش پہ شمشیر دیکھئے
حق بیں ہے گر نظر تو یہ تنویر دیکھئے

---

[1] ناگہ - ناگاہ کا مخفف - اچانک۔

ہر چند مارے دھوپ کے سونلا گیا ہے رنگ[1] تس پر ہے وہ صفائی کہ ہے آئینہ بھی دنگ
کس کا جگر[2] یہ ہے کہ مقابل ہو وقت جنگ چلا کے فیل گر پڑے مارے جو یہ خدنگ
ناداں ہی حوصلہ جسے جنگ و جدل کا ہو
آئے جو سامنے وہ نشانہ اجل کا ہو

سر پر جری کے خود ہے یا نور سر بسر پیشانی دلیر ہے یا پارۂ قمر
یہ حسن ہو تو کیوں نہ پڑے فوج کی نظر دیکھو تو تم ذرا یہ فرشتہ ہے یا بشر
تیور ہی کچھ بدل گئے ڈھنگ اور ہو گیا
اب اور ہی بہار ہے رنگ اور ہو گیا

آیا حضور قبلۂ عالم جو وہ جری تھی تن میں خوف سے حُر غازی کے تھرتھری
ہاتھوں کو اپنے باندھ کے بولا وہ حیدری ذرہ نواز چاہیئے اب ذرہ پروری
بندہ ہوں جاں نثار ہوں طاعت گذار ہوں
لیکن خطا سے اپنی بہت شرمسار ہوں

بولا گلے لگا کے یہ زہرا کا گلعذار تیرا کدھر خیال ہے اے حُر نامدار
دل ہے ہمارا آئینۂ نورِ کردگار ہرگز نہیں ہے تیری طرف سے یہاں غبار
لطف و عطا ہے سب سے قرینہ حسینؑ کا
لے دیکھ لے کہ صاف ہے سینہ حسینؑ کا

حُر کی زبان سے طلبِ عفو کے الفاظ سنکر امام حسینؑ فرماتے ہیں:-

---

[1] سونلانا - سانولا ہو جانا - رنگ سیاہی مائل ہونا ٭

[2] کس کا جگر ہے - کس کی ہمت ہے ٭

رتبہ ہر ایک شخص کا پہچانتے ہیں ہم
اب تجھ کو اقربا سے سوا جانتے ہیں ہم

حضرت امام حسینؑ حُر سے اہلِ کوفہ کے مکر و فریب سے بلانے کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

فریادِ العطش کی حرم میں بلند ہے
آبِ رواں تلک مرے بچوں پہ بند ہے

رونے سے اہلِ بیت کے خاطر ہے مضمحل ۔ سینے میں مارے پیاس کے گھبرا رہا ہے دل
خاطر نہ تیری مجھ سے ہوئی کیجیو بحل[1] ۔ اے حُر حسینؑ تجھ سے ہوا آج منفعل
نادار اسقدر ہوں ضیافت نہ کر سکا
فرزندِ فاطمہؑ تری دعوت نہ کر سکا

میدانِ جنگ کے لئے حُر اذن طلب کرتا ہے ۔

جس وقت سُن چکا یہ کلام شہِ عرب ۔ کی عرض ہاتھ جوڑ کے اس باوفا نے تب
پانی ملے نہ آپ کو دریا سے ہے غضب ۔ مولا غلام چاہتا ہے اذنِ جنگ اب
یہ ظلم جیتے جی کبھی دیکھا نہ جائے گا
اب یہ غلام تیغ کے جوہر دکھائے گا

حضرت کے روکنے سے رُکا جب نہ وہ ہزبر ۔ کہنے لگے حسینؑ یہ رو کر مثالِ ابر
اے حُر یہ داغِ دل[2] پہ سہینگے مگر بہ جبر ۔ اچھا سدھار ہم ترے غم میں کرینگے صبر

---

[1] معاف [2] دل پر داغ سہنا - رنج سہنا ؂

آیا ہے سب کے بعد پہ اول کیا تجھے
فوجِ خدا کا ہم نے ہراول کیا تجھے

مژدہ یہ سُنکے ہو گیا خرسند وہ دلیر	کوثر کی جستجو میں ہوا زندگی سے سیر
دل نے کہا کہ عزم[1] ہے بالجزم کر نہ دیر	دیکھا غضب سے فوج عدو کو مثالِ شیر
بھولا تھا راہ خضر کی تائید ہو گئی
رخصت لڑائی کی جو ملی عید ہو گئی

یہ کہہ کے باگ لی فرسِ تیز گام کی	چتون عجیب ہو گئی اس خوشخرام کی
تڑپا فرس ہوئی حرکت جب لگام کی	نعرے کیساتھ کانپ گئی فوج شام کی
راکب نے کرّو فر سے جو زیں پر نشست کی
مرکب نے بھی اشارے پہ فوراً ہی جست کی

حرُ کا سراپا

اس بند کا پہلا شعر سراپا سے متعلق نہ تھا۔ اسلئے نظر انداز کر دیا گیا

سر پہ فروغ مغفرِ رُومی کا ہے دوچند	منقارِ مدح پنجۂ فولاد میں ہے بند
خوں گرمیاں ہیں خوف سے تیغِ پُر آب کی
نیزہ اچھالتا ہے کرن آفتاب کی

اس بند کی ٹیپ زوردار نہ تھی۔ اسلئے نظر انداز کر دی گئی۔

پستی سے اس سپر کی قوی پشت ہے ظفر	تلوار ڈاب میں ہے زرہ ہے میان پہ
چار آئنہ کے مُنہ پہ ٹھہرتی نہیں نظر	ترکش کھلا ہی تیر نکالے ہوئے ہیں سر

[1] عزم بالجزم - پختہ ارادہ ۔

سراپا کے اس بند میں شاعر کی رنگیں نوائی قابلِ داد ہے۔ لیکن کلام اس میں ہے کہ مقتضائے حال کی رعائت بھی کی گئی ہے یا نہیں۔ ایک مبارز طلب بہادر کا سراپا ایک حسین نازک اندام محبوب کے سراپا سے مختلف ہونا چاہیئے۔

چھوٹی ہوئی ہے دوش پہ یوں زلفِ مشکبار　　گویا ہُوا ہے سنبلِ پیچاں گلے کا ہار
سجدے کا یہ نشاں جبیں پر ہے آشکار　　یا آئینہ میں غنچۂ سوسن کی ہے بہار
روشن ہے صاف دیکھ کے شکل اس جناب کی
صیقل ہوئی ہے آئینۂ ماہتاب کی

اس بند کا صرف پہلا مصرعہ ایک غازی کے شایانِ شان ہوسکتا ہے۔ البتہ رنگینی سے کوئی مصرعہ خالی نہیں۔

بگڑے ہوئے ہیں غیظ سے تیور کہ الاماں　　یہ ابروئے کشیدہ مہِ نو ہے یا کماں
تشبیہ اُو تازہ یہ آئی کشاں کشاں　　جٹی[1] بھووں پہ نور جبیں صاف ہے عیاں
میزانِ حُسن میں ہے یہ مضموں تُلا ہُوا
لو رحل[2] پر ہے سورۂ یوسف[3] کھلا ہُوا

میدانِ جنگ میں حُر کی آمد کا نقشہ کھینچتے ہیں:-

پہنچا جو اس شکوہ سے وہ ضیغمِ نبرد　　دہشت سے اشقیا ہو گئے منہ سب کے زرد
کی اس قمر نے گرمیِ بازارِ کفر سرد　　جم کر اڑا فرس تو گئی آسماں پہ گرد

---

[1] جٹی بھویں - آپس میں ملی ہوئی بھویں [2] لکڑی کی تپائی جس پہ قرآن شریف رکھ کر پڑھا جاتا ہے۔
[3] قرآن مجید کی ایک سورۃ کا نام ہے جس میں حضرت یوسفؑ کے مفصل واقعات ہیں۔

کیا گرم رَو وہ اشہب گیتی نورد تھا
ہر جہت میں غبارِ قدم گرد برد تھا

دیکھا حُرِ دلیر کا جسدم یہ کرّو فر　　چترِ زری لگا کے بڑھا فوج سے عمَر
بولا قریب آ کے کہ اے حُرِ نامور　　تجھ سے جری سے مجھ کو تعجّب ہی سر بسر
وہ کام کر کہ جو ترے حق میں ثواب ہو
تجھ سا عقیل خلق میں خانہ خراب ہو

الٹی تری سمجھ ہے یہ کیا تھا خیال خام　　مجھ سے نہ لی صلاح نہ مطلق کیا کلام
اک مرتبہ بھلا دیا پاسِ امیرِ شام　　گھوڑے کی باگ اٹھا کے گیا جانبِ امام
یہ امر فہم و عقل و خرد سے بھی دُور ہے
انجام کا خیال بشر کو ضرور ہے

عمر ابن سعد حُر کو مبارز طلب دیکھ کر گھوڑا آگے بڑھاتا ہے اور یوں مخاطب ہوتا ہے :-

ہے یہ خلاف دانش دانائی بشر　　نقصان اختیار کرے نفع چھوڑ کر
ایسی یہ کچھ مہم نہیں جو ہو نہ جائے سر　　حاکم سے چل کے لینگے صلہ اسکا مال و زر
جاگیر ہاتھ آئیگی قتل حسینؑ سے
دنیا میں زندگی تو بسر ہو گی چین سے

سلسلۂ کلام کو جاری رکھ کر کہتا ہے :-

عالم میں ایک بندۂ محتاج ہے حسینؑ　　بن پانی جاں بلب ہے محمد کا نور عین

برپا ہے اہلبیت میں دو دن سے شور و شین آفت میں جو پھنسے ہیں وہ کیا دینگے تجھکو چین
فاقے سے آج لشکرِ سبطِ رسول ہے
مرجانے کے سوا تجھے واں کیا حصول ہے

حُر ابن سعد کو جواب دیتے ہیں :-

اب فتنہ و فساد ہے عالم میں چار سُو اللہ سے دعا ہے کہ وہ رکھ لے آبرو
قتلِ حسینؑ کی مرے مُنہ پر یہ گفتگو خالق کرے زباں کو تری قطع اے عدو
مَیں اور خونِ شاہ کا سر پہ وبال لُوں
دیکھے کوئی ادھر کو تو آنکھیں نکال لُوں

یہ بات کہہ کے چپ جو ہوا حُر نامور ہو کر خفیف خیمے میں اپنے گیا عمر
تیار کر کے فوج کو بولا وُہ بد گہر ہاں جلد کوئی لائے سرِ حُر اُتار کر
آیا ہے لے کے جنگ کی رخصت امامؑ سے
اُسکی سزا یہ ہے جو پھرے میرِ شام سے

حُر کا حملہ

ریتی پہ تھے تپاں تن صد چاک ہر طرف غلطاں پڑے تھے خون میں سفّاک ہر طرف
خونی کی طرح پھرتی تھی بیباک ہر طرف ایک اک سے کہتی تھی وُہ غضبناک ہر طرف
قطعی دلیل ہے کہ قضا کا میں ہاتھ ہُوں
بھاگو گے جی چرا کے تو میں دم کیساتھ ہُوں

حُر کی تلوار

جھک کر کہیں چلی کسی جا پر تنی رہی نرمی کہیں دکھائی کہیں آہنی رہی

تیغوں ہیں ڈھال نیزوں کے زد پہ آنی رہی یہ سب ہوا پہ ہیئتِ اصلی بنی رہی

برہم تھی کوئی صف تو کوئی پائمال تھی

محشر بپا تھا کیا وہ قیامت کی چال تھی

آیا جو روبرو اُسے مارا جھپٹ کے ہاتھ اک ہاتھ میں گرا وہیں شانے سے کٹ کے ہاتھ

گر لینت پر گیا تو لگایا پلٹ کے ہاتھ گر گر زمیں پہ خوب ستمگر نے پٹکے ہاتھ

بھاگا جو سامنے سے نہ وہ پھر نظر پڑا

سہما ہوا جو غول تھا تتر بتر[1] نظر پڑا

اسی سلسلے میں ایک اور رنگین بند ملاحظہ ہو۔ خوب ہے ۔ اگرچہ رزمیہ نہیں۔

ہر صف میں کوندتی تھی ادھر برق شعلہ ریز شرماتی تھی غزال کو گھوڑے کی جست و خیز

پھیلی تھی بوئے طرۂ گیسوئے مشک بیز خوش گام و خوش لجام و خوش انداز و تند و تیز

رہ جائے جسکی رو میں صبا ٹاپ ٹاپ کے[2]

آندھی اگر چلے تو قدم ناپ ناپ کے

بے مثل شہسوار تو نایاب تھا فرس برقِ تپاں و پارۂ سیماب تھا فرس

اک نو عروس عالم اسباب تھا فرس عاشق کے دل کی طرح سے بیتاب تھا فرس

کیا جوڑ بند پائے تھے اس دلفریب نے

طرّہ کیا تھا حسن پہ کلغی کی زیب نے

---

[1] تتر بتر ہونا ۔ منتشر ہو جانا [2] ٹاپتے پھرنا ۔ بے راہ پھرنا ۔ راستہ نہ ملنا ۔ ٹاپ کے رہ جانا ۔ تلاش میں ناکام رہنا ؛

حضرتِ عباسؑ حر کی بہادری کی تعریف کرتے ہیں - اور حُر جواب میں کہتے ہیں :-

درپیش ہے ابھی سفرِ منزلِ عدم　　تشویش ہے یہی یہی دھڑکا ہے دمبدم
محنت یہ رائگاں ہے اگر ڈگ گئے[1] قدم　　ہے آرزو کہ شاہ کے قدموں پہ نکلے دم
مُنہ دیکھوں وقتِ نزع شہِ خاص و عام کا
ہو زانوئے حسینؑ پہ سر اس غلام کا

حُر پر غنیم کا لشکر یکبارگی یورش کر کے تیروں کی بارش سے اُسے بے طرح زخمی کر دیتا ہے۔

باتیں یہاں یہ ہوتیں تو وہاں شورِ دار و گیر　　ناگہ صفیں جما کے بڑھے پھر ادھر شریر
جھپٹا جو نہی پلٹ کے وہ جرّار بینظیر　　اکبار سامنے سے چلے دس ہزار تیر
چھاتی تمام شیر کی غربال ہو گئی
ڈوبا بدن لہو میں قبا لال ہو گئی

مجروح تھا جو تیروں سے گل سا بدن تمام　　زخمی سمجھ کے ٹوٹ پڑے تیغ زن تمام
بڑھ بڑھ کے وار کرتے تھے ناوک فگن تمام　　نزدیک تھا کہ زین پہ ہو وہ خستہ تن تمام
پہلو سے ایک وار جو نیزے کا چل گیا
سینے کو توڑتا ہوا باہر نکل گیا

حُر زخموں سے چور ہو کر گھوڑے سے گرتے ہوئے امام حسینؑ کو پکارتے ہیں :-

---

[1] قدم ڈگ گئے - یعنی ثابت قدم نہ رہ سکا ۔

حضرت نے جب سُنی یہ صدائے حُرِ دلیر — میداں میں تیغ[1] تول کے جھپٹے مثالِ شیر
بھاگے تمام دشمنِ دیں منہ کو پھیر پھیر — مہمان ہو چکا تھا یہاں زندگی سے سیر
دیکھی زمیں پہ لاش جو اس نیم جان کی
بالیں پہ رو کے بیٹھ گئے میہمان کی

سر رکھ کے اسکا زانوئے اقدس پہ یہ کہا — آنکھیں تو کھول آیا ہے فرزندِ مرتضیٰ
دل سے حسینؑ کے کوئی پوچھے تری وفا — بھائی معاف کیجیو میرا کہا سُنا
تجھ سے ندامت اب مجھے تا زندگی رہی
مہماں ہوا شہید یہ شرمندگی رہی

پہنچی جو اسکے کان میں آواز شاہ دیں — آنکھوں کو کھول کر یہ لگا کہنے وہ حزیں
ارشاد یہ نہ کیجئے سردار مومنیں — کیا مجھ سے ہو سکا کسی قابل ہی میں نہیں
کوثر پہ قرب حضرت شاہ نجف ملا
صدقے سے آپ کے مجھے کیا کیا شرف ملا

مولا نہیں ہے ضعف سے قابو میں اب زباں — ہونا ہے اب حضور سے رخصت یہ میہماں
خوں بہ رہا ہے زخموں سے ہے جسم ناتواں — یٰسین[2] آپ پڑھئے تو نکلے بدن سے جاں
کچھ اور تو نہیں مجھے اسدم خیال ہے
قدموں سے چھوٹتا ہوں فقط یہ ملال ہے

[1] تیغ تول کر۔ تلوار سنبھال کر [2] یٰسین۔ قرآن مجید کی ایک سورۃ ہے۔ جانکنی کے وقت مریض کے سرہانے پڑھی جاتی ہے۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اسکے پڑھنے سے جانکنی کی تکلیف کم ہو جاتی ہے۔ دوسرے مرنے والے کو آخری وقت خدا کی یاد کرنے کی ترغیب ہوتی ہے۔

یہ کہہ کے میہمان سدھارا سوئے جناں لاش اسکی در پہ خیمے کے لائے شہِ زماں
اک آہ کی حسینؑ نے با چشم خونچکاں ماتم کیا حرمؑ نے یہ ملکر کہ الاماں
بچے بلکتے تھے حُر ذیشاں کے واسطے
سیدانیوں میں شور تھا مہماں کیواسطے
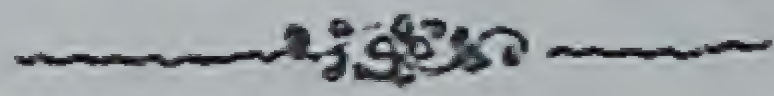
حضرت نفیس لکھنوی

شکوہ الفاظ

اے زباں طبعِ سخن ساز کی جودت دکھلا جس سے محظوظ ہوں سامع وہ بلاغت دکھلا
جمع ہیں کاملِ فن زورِ طبیعت دکھلا شان مضموں کی دکھا نظم کی شوکت دکھلا
آفریں شیفتۂ خالق ذو المجد کریں
وہ فصاحت ہو کہ سب اہل زباں وجد کریں

اندازِ بیاں

یوں ہر اک بند سے ہو شاہدِ معنی کا ظہور جیسے غرفہ سے نمایاں ہو جمالِ رُخِ حُور
حسنِ بندش سے ہر اک بند ہو ایسا معمور کہ جسے دیکھ کے شرمائے مہ و مہر کا نور
ہوں وہ مضموں کہ سمجھنے میں ذرا دیر نہ ہو
سُن لیں اک بند کو سو بار تو دل سیر نہ ہو

لہ حرم سے یہاں مراد حضرت امام حسینؑ کے کنبے کی عورتیں ہیں ؎

مرثیہ نگار اہلِ مجلس کو مخاطب کر کے حُر کا ذکر اس طرح شروع کرتا ہے :-

اے خوشا حالِ معرّف ہے زمانہ جسکا
روشنی ہے دلِ مجلس کی فسانہ جسکا

حُر کی تعریف کرتے ہوئے مرثیہ نگار کہتا ہے :-

خوفِ خالق سے جو لرزاں صفتِ بید ہُوا
خارِ غم رفع تو گل غنچۂ امید ہُوا
حق پہ مارا جو گیا زندۂ جاوید ہُوا
اُس طرف ذرّہ تھا یاں آتے ہی خورشید ہُوا
بادشہ ہے جو گدا سیّد والا سے ملے
وہ بھی دریا ہے جو قطرہ کوئی دریا سے ملے

منظرِ صبح

جب نمایاں ہوئی رَن میں شبِ ماتم کی سحر
آمد آمد شہِ خاور کی ہوئی گردوں پر
نجم چھپنے لگے ہونے لگا کم نورِ قمر
رنگ بدلا چمنِ عالمِ امکاں کا ادھر
نخل تازہ ہوئے باغوں میں شمیم آنے لگی
پھول کھلنے لگے تھم تھم کے نسیم آنے لگی

منظرِ صبح

جا بجا لالہ و نعمان و شقائق کا وہ رنگ
سمن و یاسمن و سوسن و عنبر کا وہ ڈھنگ
وہ صدا کبک دری کی کہ ہو پانی دل سنگ
طائروں کے وہ درختوں پہ ملایم آہنگ
خوشنوایانِ چمن زمزمہ پرداز تھے سب
جتنے گل تھے ہمہ تن گوش برآواز تھے سب

منظرِ باغ و بہار

سبزہ وہ جس سے خجل رنگ سپہرِ اخضر — موتی پھیلے ہوئے شبنم کے ادھر اور اُدھر
سرد نہریں کہ جنہیں دیکھ کے ٹھنڈا ہو جگر — وہ حبابوں کی چمک جیسے فلک پر اختر
بڑھ کے غنچوں کے دہن مرغِ چمن چومتے تھے
قمریاں بولتی تھیں سرو بھی جھومتے تھے

رخصتِ شب و نمودِ سحر

شمع و پروانے کا وہ سوز و گداز ایک طرف — بلبل و گل میں نئے راز و نیاز ایک طرف
طوطیِ تیز زباں نغمہ طراز ایک طرف — چمنستاں کے حسینوں کا وہ ناز ایک طرف
خرّم و تازہ و تر دشت بھی گلزار بھی تھا
تر زباں ذکرِ الٰہی میں ہر اک خار بھی تھا

غم انگیز

کربلا میں تھا مگر زیرِ فلک رنگ نیا — خشک بے آب تھا گلزارِ رسولِ دوسرا
ساتویں سے کسی گلرو کو نہ پانی تھا ملا — العطش کا حرمِ شاہ میں تھا شور بپا
جتنے بچے تھے بصد رنج و تعب روتے تھے
خالی ہاتھوں میں کٹورے لیے سب روتے تھے

حضرت امام حسینؑ علیہ السّلام مع رفقا میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ مرثیہ نگار رفقاء امام کی تعریف اسطرح کرتا ہے :-

مناقبِ اہلبیت

ذی شرف اہلِ حسب پاک نسب چھوٹے بڑے — افتخارِ عجم و فخرِ عرب چھوٹے بڑے

پیرِ و قبلۂ دیں عاشقِ رب چھوٹے بڑے　　گُل تر ایک ہی گلزار کے سب چھوٹے بڑے
اسدِ حق میں جو تھی انمیں بھی ہے آن وہی
بُو وہی رنگ وہی حسن وہی شان وہی

یک بیک طبلِ وغا شام کے لشکر میں بجا　　سُر لگی کھنچنے افلاک پہ قرنا کی صدا
رَن ہلا گرد اٹھی طیر اُڑے شور ہُوا　　لیکے غول اپنے بڑھے تیغ بکف اہلِ جفا
ہر طرف فوجِ ستمگر کے پرے بندھنے لگے،
اسطرف چھوٹے سے لشکر کے پرے بندھنے لگے

بقول مرثیہ نگار فوجِ شام بیحد و بے حساب تھی۔ نقشۂ جنگ اس طرح کھینچا ہے :-

نقشۂ جنگ

اپنے لشکر سے بن سعد جفا کار بڑھا　　میمنہ پر بنِ حجاج کو مامور کیا
میسرہ فوج کا شمرِ ستم آرا کو دیا　　رُک گیا گھاٹ مرتب ہوا ایک ایک پرا[1]
قلزمِ قہر کی ہر سمت سے موجیں اُمڈیں
سب زمیں چھپ گئی کثرت سے یہ فوجیں اُمڈیں

پیدل اک سمت مصلح تھے سوار ایک طرف　　پہلواں باندھے ہوئے اپنی قطار ایک طرف
نیزہ داران صفِ ظلم شعار ایک طرف　　ناوک انداز تھے چالیس ہزار ایک طرف
قہر کی فوج قیامت کی صف آرائی تھی
ڈھالیں اٹھی تھیں کہ گھنگھور گھٹا چھائی تھی

[1] صف۔ قطار ؛

غنیم کے شہسواروں کی یلغار کا بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں :-

دہنی جانب فرسِ ابلق و شبرنگ سمرنگ ، بائیں پر ابرسیاہ زانو و مشکین و کرنگ
راکبِ لشکرِ کیں چست کئے گھوڑوں کے تنگ جسکو دیکھو وہ کمربستہ میانِ صفِ جنگ

کشمکش تھی کہ نہ دم لینے کی جا ملتی تھی
ہنہناتے تھے یہ گھوڑے کہ زمیں ہلتی تھی

جذبۂ خلوص و ہمدردی

لشکرِ کوفہ کے آگے تھا حُرِ نیک انجام پیچھے صف بستہ جواں اسکے رسالے کے تمام
پشت پر ڈھال کماں دوش پہ قبضہ میں حسام سپہ کیں پہ نظر غیظ کی دل سوئے امام

غم تھا شہ کو جو نہ اعدا نے دیا تھا پانی
شب سے کھایا تھا نہ کچھ اُسنے پیا تھا پانی

قریب ہی حُر کے بھائی ، فرزند ، اور غلام تھے ۔ بیٹے نے غلام سے پانی طلب کیا ۔ حُر یہ دیکھ کر بیتاب ہو گئے ۔ اپنے بیٹے کو اہل بیت کی تشنگی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسطرح کہتے ہیں :-

زہر سمجھو اسے جبتک نہ وہ ناکام پیئے ،
ہے وہ کم ظرف جو بے شہ کے کوئی جام پیئے

پھر کہتے ہیں :-

ہے سخی ابن سخی خلق میں وہ عرش جناب راہ میں پیاس سے تھے راکب و مرکب بیتاب
سب رسالے کو مرے جسنے کیا تھا سیراب[1] ہے غضب آج اسی کو نہ ملے قطرۂ آب

---

[1] حضرت امام نے حُر اور اسکی فوج کو داخلۂ کربلا سے پہلے پانی پلایا تھا جبکہ پیاس سے جاں بلب تھی۔

پاپنے بچوں کے لیئے بھی نہ بچایا پانی
سارے حیوانوں کو جنگل میں پلایا پانی

اس بہادر نے سُنا جبکہ پدر سے یہ کلام　　شہ کی غربت پہ جگر ہل گیا کانپا اندام
خاک پر پھینکدیا جلد وہ پانی مع جام　　عرض کی تشنگیٔ شاہ پہ صدقے ہو غلام
چشم سے اشک بہا کر جو پسر رونے لگا
مرحبا کہہ کے حرِ نیک سیر رونے لگا

ندرتِ استعارہ

کہہ کے یہ اپنے رسالے سے وہ جرّار بڑھا　　بھائی بھی ہاتھ میں تولے ہوئے تلوار بڑھا
نیزہ تانے ہوئے فرزندِ خوش اطوار بڑھا　　لے کے قبضے میں کماں عبدِ وفادار بڑھا
تنکے ضرغامِ نیستانِ شجاعت نکلے
چار تابندہ قمر چھوڑ کے ظلمت نکلے

عمر ابن سعد کو حُر کے اخبار معلوم ہوئے، اُسنے خود آکر سمجھایا۔ حُر اسطرح جواب دیتے ہیں :-

جدھر اللہ کے رستے ہیں اُدھر جاتا ہوں

اس کے بعد باہمی سخت گفتگو ہوتی ہے۔

پسرِ سعد پکارا کہ بھلا جا تو اُدھر　　تو سہی گھیر لے تجھکو ابھی سارا لشکر
دی صدا حُر نے یہ کیا بکتا ہے او بانیٔ شر　　کبھی دبتے نہیں فوجوں سے غلامِ حیدر
درد دیں ہے جنہیں کیا ڈر انہیں بے دردوں سے
مردِ میداں کبھی ڈرتے نہیں نامردوں سے

حر مع اپنے برادر و فرزند و غلام لشکرِ شام سے نکل کر حضرت امام حسینؑ کی طرف جاتے ہیں۔ حضرت عباس یہ دیکھکر کہ فوج شام کے کچھ لوگ اسطرف آرہے ہیں۔ حضرت امام سے دریافت کرتے ہیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ یہ حُر ہے اِسے آنے دو۔ پھر سب کو حکم استقبال دیتے ہیں۔

سُنکے حضرت کا یہ ارشاد علمدار بڑھے مسکراتے ہوئے سب یاور و انصار بڑھے
قاسم و عون و علی اکبرِ جرّار بڑھے ہاتھ پھیلائے ہوئے سیدِ ابرار بڑھے
نخلِ امید حُرِ نیک سِیر پھلنے لگا
دوڑ کر پاؤں پہ آنکھوں کو جری ملنے لگا

حضرت امامؑ کے عام اخلاق اور مساویانہ برتاؤ کی مثال میں ایک بیت ملاحظہ ہو:—

حُر سے جس طرح سے فرزند ید اللہ ملے
پسرِ عبد و برادر سے یونہیں شاہ ملے

حُر حضرتِ امامؑ سے اجازت وغا چاہتا ہے۔ حضرت مجبوراً اجازت دیتے ہیں۔ حُر میدانِ جنگ میں پہنچکر رجز خوانی کرتے ہیں۔

رجز

شیر نے شعر رجز پڑھکے بڑھایا رہوار دی صدا جلد بڑھے جنگ کو فوجِ اشرار
ہے کدھر سعد کا فرزند شقی و مکّار کس طرف چھپ گیا لشکر میں وہ ظالم غدّار
ہو مقابل تو ستمگار کی بدعت کھل جائے
اب میرے سامنے آئے تو حقیقت کھل جائے

جو نمودار ہو سب میں وہی صفدر نکلے
جسکو منظور ہو لڑنا وہ دلاور نکلے
آئے نوفل کہیں خوئی ستمگر نکلے
بن حجاج بڑھے شمر ستمگر نکلے
ضرب تلوار کی ہاتھوں کی صفائی دیکھو
ہاں غلامِ شہِ مرداں کی لڑائی دیکھو

دولتِ ایمان

اب نہ مرنے کا ہے وسواس نہ کچھ غم نہ ہراس
ہیں مری پشت پہ موجود شہ رتبہ شناس
منتشر ہوش تھے پہلے یہ ہیں اب جمع حواس
کم ابد تک جو نہ ہوگی وہ ہے دولت مرے پاس
ٹکڑے ٹکڑے ہو جو تن روح پہ کچھ جبر نہیں
نعمتیں وہ نظر آئی ہیں کہ اب صبر نہیں

حُر جنگ شروع کرتے ہیں -

معرکۂ جنگ

کوئی پامال اِدھر خوں میں کوئی غرق اُدھر
صاعقہ تیغ کا گرتا تھا اِدھر برق اُدھر
خوف سے کانپتا تھا غرب اِدھر شرق اُدھر
جسم اِدھر ہاتھ اُدھر پاؤں اِدھر فرق اُدھر
دھوم تھی چار طرف شیر کی جانبازی کی
ایک تلوار نے کیا تفرقہ اندازی کی
یا علی کہہ کے جو حملہ کیا سر اُڑنے لگے
یہ ڈرے طیر کہ بس کھول کے پر اُڑنے لگے
بازوئے نحس اِدھر اور اُدھر اُڑنے لگے
فرق کیا نخلِ شقاوت کے ثمر اُڑنے لگے
ہیجو اسی تھی کہ رُخ رن سے اُڑے جاتے تھے
سر تو سر ہوش لعینوں کے اُڑے جاتے تھے

ایک مصرعہ میں حُر کے جوشِ شجاعت کی تصویر ملاحظہ ہو:-

سینہ تانے ہوئے لشکر میں دھنسا جاتا تھا

اسی حالت میں فوجِ شام کا ایک زبردست بہادر صفوان نامی حُر کے مقابل ہو کر نبرد آزما ہوتا ہے۔ حُر جوہر جنگ دکھاتے ہیں اور اسے ایک موقع پر نیزہ سے چھید کر جسوقت بلند کرتے ہیں اس کی تصویر اس بیت میں کیا خوب دکھائی ہے:-

زیں سے اونچا ہوا سرکش تو نگوں سر دیکھا
غل ہوا قلعہ خیبر کو ہوا پر دیکھا

محاکات رزم

ہاتھ رو کے رہا جرّار وہ تڑپا ہر چند ۔۔۔ دم نکلنے لگا مُنہ کھُل گیا آنکھیں ہوئیں بند
حرِ جانباز نے اتنا کیا نیزہ کو بلند ۔۔۔ دونو فوجوں کو نظر آنے لگا ظلم پسند
چھد کے نیزے میں جگر پشت کے باہر نکلا
دم ستمگار کا نکلا تو ہوا پر نکلا

بالآخر جنگ کرتے ہوئے ایک جگہ خود ہی مجروح ہو کر گر پڑتے ہیں۔ حضرت امام حُر کو عالمِ بیہوشی میں اُٹھا لاتے ہیں۔ حُر بمشکل آنکھ کھول کر حضرتِ امام کے آغوش میں اسطرح کہتے ہیں:-

کہہ کے یہ حُرِ دل افگار نے پھیلائے قدم ۔۔۔ ہونٹھ ہلنے لگے رُک رُک کے نکلنے لگا دم
رکھ لیا سینۂ مجروح پہ ہاتھوں کو بہم ۔۔۔ سانس[1] رُکنے لگی پتھرا گئی[2] چشمِ پُر نم

[1] سانس کو اہل لکھنو مؤنث اور اہل دہلی مذکر لکھتے ہیں [2] موت کے وقت آنکھ بے نور ہو جاتی ہے اسکو آنکھ پتھرانا کہتے ہیں ؎

جو تھا ارماں وہ عدم کے سفری کا نکلا
قدمِ شاہ پہ دم حُر جری کا نکلا

باندھی[1] کمر جو فوجِ خدا نے جہاد پر
چھایا[2] ہراس لشکرِ ابنِ زیاد پر
جرأت فدا تھی فوجِ عقیدت نہاد پہ
طاری تھا غیظ شہ کے ہر اک خانہ زاد پر
تیغوں کو چومتے تھے شجاعت کے جوش میں
جرّار جھومتے تھے شجاعت کے جوش میں

مناقب رفقاء امام

لب پر درود کاندھوں پہ تلواریں شوقِ جنگ
چہرے شگفتہ جوشِ شجاعت سے سُرخ رنگ
مشتاقِ خلد مرنے سے خوش زندگی سے تنگ
عجلت کہ اب وغا میں ہے کسواسطے درنگ
بر میں عبائیں سر پہ عمامے رخوں پہ نور
صادق سخی دلیر بہادر غنی غیور
خوش طبع خوش مزاج خوش انفاس خوش کلام
سوکھی ہوئی زبان کو ذکرِ خدا سے کام
دانا مطیع حکمِ نبی پیروِ امام
مثلِ نگیں رہینگے قیامت تک انکے نام
اسی سلسلہ میں کہتے ہیں :-
فاقوں کا کچھ خیال نہ کچھ پیاس کا تعب
طینت میں صدقِ دل میں صفا طبع میں ادب

[1] تیار ہوئی [2] رفقائے امامؑ مراد ہیں [3] خوف طاری ہوگیا ؞

جنگ آزمودہ بیشۂ مردانگی کے ببر
صابر وہ جنکے صبر پہ نازاں ہے آپ صبر

اک سو عقیل و مسلم و جعفر کے نورِ عین[1] | تھا جن میں زور و دبدبۂ فاتحِ حنین[2]
غازی دلیر عاشقِ سلطانِ مشرقین[3] | شیروں کے شیر[4] زیبِ صفِ لشکرِ حسین

کمریں کسے[5] ہوئے علمِ شہ کے ساتھ تھے
بل ابروؤں پہ[6] تیغوں کے قبضوں پہ ہاتھ تھے

تھے اک طرف جنابِ علی اکبرِ جری | جنکے قدم سے آنکھوں کو ملتی تھی صفدری[7]
شیرِ وغا نہنگِ محیطِ دلاوری | سب شانِ حیدری تو شکوہ پیمبری

ہلتے تھے قلب دیکھ کے چیتون دلیر کی
غصہ سے خوں ٹپکتا تھا آنکھوں سے شیر کی

حضرت قاسم کی تصویر اسطرح کھینچتے ہیں:-

کاندھے پہ نیزہ ڈاب میں شمشیر آبدار
تن تن کے اپنی شان دکھاتے تھے بار بار

حضرت زینبؑ کے جگر پاروں کے متعلق ارشاد کرتے ہیں:-

نو دس برس کی عمر پہ ذی عقل و ذی شعور
کاندھوں پہ چھوٹے چھوٹے سے بھالے خوں پور

---

[1] آنکھ کا نور۔ مراد صاحبزادے [2] حضرت علیؑ مراد ہیں [3] آنحضرت مراد ہیں۔
[4] خاندانی بہادر [5] لڑائی کے لئے بالکل آمادہ [6] تیوری چڑھی ہوئی۔ غصہ کی حالت ظاہر کرتی ہے [7] صفدری جرأت انکی خانہ زاد غلام تھی۔ اصطلاحاً بہت بہادر تھے۔

زورِ بیان

گھوڑوں کے ہنہنانے سے ہلتا تھا دشتِ جنگ　　وہ زیرِ راں سمند کہ بجلی کا جن میں ڈھنگ
کوئی کمیت تھا کوئی ابلق کوئی سُرنگ　　وہ زیں کھنچے ہوئے وہ لگامیں وُہ چست تنگ
ذرّے زمیں سے اڑتے تھے ٹاپوں کی گرد میں
گویا اُڑ کی ہوئی تھیں ہوائیں نبرد میں

حضرت عبّاسؑ، صف شکن غازیوں سے کہہ رہے ہیں :-

ہنس ہنس کے آج سینوں پہ کھاؤ سنانِ تیر　　واجب ہے نصرتِ پسرِ شاہِ قلعہ گیر[۱]
تم ہو قلیل اور ادھر لشکرِ کثیر　　گھیرے ہیں نہر کو شبِ ہفتم سے یہ شریر
خاطر شگفتہ ہو کہ بَر آرزو ملے
دریا کو چھین لو تو بڑی آبرو ملے

نرغہ[۲] میں ہیں امام اُمم اے مجاہدو　　بڑھنے نہ پائے فوجِ ستم اے مجاہدو
تم سب پہ ہے خدا کا کرم اے مجاہدو
سرکیں نہ معرکے سے قدم اے مجاہدو

اسکے بعد لکھتے ہیں :-

رزمیہ

یہ ذکر تھا کہ فوج میں ڈنکا ہوا ادھر　　باجے بجے عرب کے تو ہلنے لگے جگر
کرنے لگا درست صفیں شمر بدگہر　　ہر سو نشاں[۳] کھلے تو ہوا اور شور و شر

---

[۱] شاہ قلعہ گیر سے مراد حضرت علیؑ اور پسر شاہ قلعہ گیر سے مراد حضرت امام حسینؑ ہیں۔
[۲] چاروں طرف سے گھرے ہوئے ہیں [۳] پھریرے لہرانے لگے ؞

دریا کئے تھے جمع پرے سب بہم نہ تھے
لہریں تھیں رودِ نیل کی کالے علم نہ تھے

کڑکیں کمانیں کھنچ گئیں تیغیں بڑھی سپاہ — ڈھالیں اٹھیں کہ دھوپ میں دن ہوگیا سیاہ
وہ فوج کا ہجوم کہ اللہ کی پناہ — جائے تو پھر نکل نہ سکے طائرِ نگاہ
چلّوں سے جب ملانے لگے تیر بدخصال
غازی ادھر بھی ہو گئے آمادۂ جدال

حضرت امام حسینؑ اتمامِ حجت کے لئے ابن سعد سے کہتے ہیں۔

لشکر کشی غریب پہ کیوں او جفا پسند — یہ تیر و نیزہ و تبر و خنجر و کمند
ہم تشنہ لب فرات سے سب فوج بہرہ مند — اب تک نہ کچھ کھلا کہ ہے کیوں آب و دانہ بند
وہ خیر آج کر کہ جزا اسکی کل[1] ملے
ایسا لگا درخت کہ تجھکو بھی پھل ملے

یہ ذکر سنکے کانپ گیا حرؓ نامور — غربت پہ شاہ دین کی لہو ہو گیا جگر
غازی نے بائیں ہاتھ میں لی دوش سے سپر — نکلا پرے سے تیغ بکف مثل شیر نر
چہرے پہ سرخ رنگ شجاعت کا چھا گیا
ابرو پہ مثلِ تیغِ حسینی بل آگیا

جوش و غضب

تیور جو بگڑے دیکھے حرِ خوشخصال کے — بھائی قریب آگیا بھالا سنبھال کے
پہنچا پسر بھی ہاتھ کو قبضہ پہ ڈال کے — تولا تبر غلام نے آنکھیں نکال کے

---

[1] روز حشر مراد ہے ؂

بڑھکر کہا پسر نے توقفؑ گناہ ہے
بولا غلام بھی کہ یہی نیک راہ ہے
دہشت ہے کیسی خوف ہی کیا شے خطر ہی کیا؟ جب اُٹھ کھڑے ہوئے تو جوانوں کو ڈر ہی کیا؟
چلنے میں فکر کیا ہی چلو بس ادھر ہے کیا لشکر یہ کیا ہے شمر ہے کیا شے عمر ہے کیا؟
انساں وہ ہے کہ جسکی نظر ہو مآل پر
لعن ایسے روزگار پہ تف ایسے مال پر
یہ کہکے چاہتا تھا کہ چھیڑے وہ راہوار بولا یہ آکے واں پسرِ سعدِ نابکار
کیوں اے دلیر خیر تو ہے کیوں ہی اضطرا؟[۱] ہاں لڑ حسینؑ سے کہ یہی وقتِ کارزار
بولا بگڑ کے حُر کہ خموش او زبوں خصال
سیّد سے میں لڑوں یہ عبث ہی ترا خیال
یہ ظلم ایک فاقہ کش و تشنہ کام پر غارت ہو کوفہ برق گرے شہر شام پر
صدقے یہ سر حسینؑ علیہ السّلام پر کافر ہے وہ جو ہاتھ اُٹھائے امام پر
ظالم ہے تو شقی ہے ذلیل و رکیک ہے
اسکے لہو میں خونِ محمدؐ شریک ہے
بولا بگڑ کے تب وہ عدوئے شہِ زمن کھا کر نمک یہ بے ادبی اور یہ سخن
نوکر امیر شام کا اور مدحِ پنجتن مالک سے انحراف یہ ہے کونسا چلن
اوروں سے قلب صاف ہی اپنوں پہ چوٹ ہے
سکّہ وہ ناروا ہے یہاں جسمیں کھوٹ ہے

[۱] غلام ہو کر

اس کے جواب میں

حرنے کہا کہ دُور ہو کیسا امیر شام
حاکم مرا خدا ہے تو مالک مرے امام

مواعظ

دولت وُہ نیک ہے کہ جو عقبےٰ میں کام آئے
وُہ مال ہو کہ قبر کی وحشت سے جو بچائے
وُہ نقد چاہیئے جو قیامت میں ساتھ جائے
منصب وُہ خوب ہے کہ بشر جس سے چین پائے
بد ہے مآلِ الفتِ دنیائے زشت کا
دولت وُہ ہے کہ جو ہو ذخیرہ بہشت کا

یہ سُنکے کانپنے لگا غصّہ سے وہ عدُو
بولا کہ مجھ سے بے ادبانہ یہ گفتگو
سردارِ فوج شام ہوں واقف نہیں ہے تو
کہدوں سپاہ سے کہ بہادے ترا لہو
جیتا نہ جاسکے گا سپاہِ امام میں
بھجوادوں کاٹ کر ترا سر ملکِ شام میں

حالتِ جوش

حُرنے کہا کہ او سگِ ناپاک و بدخصال
تو اور یہ بزدلے مجھے روکینگے یہ شغال
کیا تیری اصل اور ترے لشکر کی کیا مجال
بگڑوں تو فوجِ شام کو کردوں لہو سے لال
مٹی[1] ہو قصرِ ابنِ زیادِ پلید کا
پایا پکڑ کے تخت الٹ دوں یزید کا

---

[1] خاک میں مل جائے ۔

پھر لکھتا ہے :-

کیا انکی ہست و بود جو ہیں مرتبہ میں پست	غالب ہیں دشمنوں پہ ہمیشہ خدا پرست
مجھ پر کھلا ہے سب ترے لشکر کا بند و بست	اللہ فتح دیگا مجھے اور تجھے شکست

شر سے نہ بند ہونگے جو رستے ہیں خیر کے
دریا ہو آگ کا تو نکل جاؤں پیر کے

یہ کہہ کے شامیوں کو پکارا وہ نامدار	شیطان ابن سعد کی گردن پہ ہے سوار
مانع ہے خیر کا یہ ستمگار و نابکار	اسکے فریب و مکر میں آنا نہ زینہار

چھوڑو اسے نبی کے نواسے کا ساتھ دو
کوثر کی آرزو ہے تو پیاسے کا ساتھ دو

حُر لشکرِ حسین میں پہنچ جاتا ہے اور اپنی سابقہ غلطیوں کی معافی مانگتا ہے

سُنکر یہ استغاثۂ حُرِؓ خجستہ کام	گھوڑے سے جلد اتر کے بڑھے قبلۂ انام[1]
مڑ کر کیا یہ اکبر و عباس سے کلام	آتا ہے اسطرف سے اِدھر حُر نیکنام

لو آؤ میہمان کو لے آئیں چل کے ہم
یہ سنکے سب دلیر جلو[2] میں چلے بہم

وہاں پہنچکر حضرت امام حسینؑ نے سے

کھولے بندھے ہوئے جو حُر باوفا کے ہاتھ
حُر سے مصافحہ کیا سب نے بڑھا کے ہاتھ

حضرت امام حسینؑ حُر سے اپنی مجبوریوں کا اظہار کرتے ہیں :-

---

[1] حضرت امام حسینؑ مراد ہیں [2] پیچھے پیچھے چلے ؛

بے آب و بے طعام جئے کسطرح بشر — گرمی میں سوکھ جاتے ہیں اکثر ہرے شجر
بستی نہ یاں کوئی نہ کسی آشنا کا گھر — مہماں ہوں جنکا میں انہیں میری نہیں خبر

دعوت نہ ہوسکی مجھے اسدم ہے یہ حجاب
کھانا کہاں کہ جب نہ میسر ہو جام آب

یاد ایام

اکدن وہ تھا ہمارے لئے اور وہ صبح شام — جبتک نہ میہماں ہو تو کھاتے نہ تھے طعام
یادن وہ سختیوں کے ہیں اے حُر نیکنام — ممکن نہیں کہ دیں تجھے پانی کا ایک جام

محروم ہے کوئی کوئی بندہ ہے کامیاب
صابر ہے وہ بشر کہ نہ ہو جسکو اضطراب

اسکے بعد حُر اذنِ جنگ لیکر میدانِ کارزار کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔

پہنچا قریب لشکرِ اعدا جو وہ دلیر — گھوڑے ملا کے فوج سے گونجا مثال شیر
نعرہ کیا کہ جنگ میں اب کس لئے ہے دیر — نکلے وغا کو جلد جو ہو زندگی سے سیر[1]

جل جاؤ گے جو برق گرے گی حسام کی
دیکھو وغا حسینؑ کے تازہ غلام کی

شمر لعین نے اپنی فوج کو للکار کر کہا کہ حُر جانے نہ پائے :-

رزمیہ

یہ سُنکے حُر پہ چلنے لگے تیر بیشمار — نیزے ہلا ہلا کے صفوں سے بڑھے سوار
تیغیں ہوئیں بلند چلے برچھیوں کے وار — لشکر میں مثل شیر در آیا وہ نامدار

[1] زندگی سے تنگ آچکا ہو۔

پیچھے ہٹے بڑھے تھے جو تیغوں کو تول کے
چہرے چھپائے پشت سے ڈھالوں کو کھول کے

حُر کی شمشیر آبدار سے

غلطاں تھے تن زمیں پہ جدا اور سر جُدا — زخمی ادھر پڑے تھے جُدا اور ادھر جدا
گردن جُدا تھی سینہ جُدا اور کمر جدُا — شانے سے ہاتھ ہاتھ سے تیغ و سپر جُدا
رُخ پھر گئے کمانوں کے چلے اتر گئے
ترکش سے تیر گر کے زمیں پر بکھر گئے

پھر تیغ شعلہ فشان کی تعریف اسطرح کرتے ہیں :-

روکا سپر پہ جب تو سپر سے نکل گئی — دو کر کے خود کاسۂ سر سے نکل گئی
آئی اُدھر سے گر تو ادھر سے نکل گئی — سینے کو چاک کر کے کمر سے نکل گئی
بجلی سی تیغ شعلہ فشاں چار سُو پھری
سر کاٹ کر جدھر سے پھری سرخرو پھری

سمند کی برق رفتاری کا فوٹو اسطرح کھینچتے ہیں :-

یوں جست کی سمند نے لاشوں کو روند کے
بجلی فلک سے گرتی ہے جسطرح کوند کے

ایک دوسری جگہ گھوڑے کے متعلق لکھتے ہیں ؎

جس غول میں گرا تو اڑا اس شکوہ سے
پرواز کبک کرتا ہے جسطرح کوہ سے

پھر تلوار کا حال ہے :-

مرزا اوج لکهنوی

یوں تن سے سر گرانی تھی شمشیر آبدار
جیسے رگِ سحاب کبھی ہوتگرگ بار
دو ہو گیا وہ صاف کیا جسپہ ایک وار
غلطاں لہو میں تھے کہیں پیدل کہیں سوار

سب فوج ملکر حُر پر حملہ کرتی ہے۔ حر زخمی ہو جاتا ہے۔

کاری جو زخم تن پہ لگے اس دلیر کے
تکنے لگا حسینؑ کو مُنہ پھیر پھیر کے

حُر گھوڑے سے زمین پر گر پڑتا ہے اور جان جاں آفریں کے حوالے کر دیتا ہے ؎
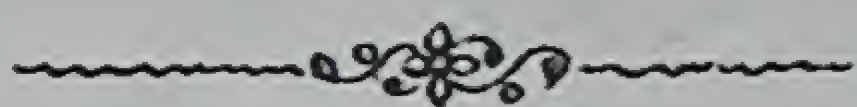
مرزا اَوج لکھنوی
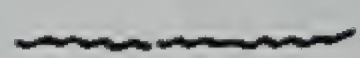
مرثیہ کی ابتدا اس مصرعۂ زرّیں سے ہوتی ہے۔

جاتے ہیں کربلا کو مسافر حجاز کے

اسکے بعد حضرت امام حسینؑ کے ہمراہیوں کا ذکر ہے:۔

کیا کیا جواں ہیں سرورِ والا کے ہمرکاب
بےمثل سینکڑوں میں ہزاروں میں لاجواب
ہیں دفترِ وفا[۱] میں یہ افراد انتخاب
انجم ہیں یہ دلیر تو مولا ہیں آفتاب

وہ صاحبِ وفا کہ وفا جن کی خانہ زاد
قربان انکے حسن عقیدت[۲] پہ اعتقاد

---

[۱] بہت وفادار ہیں [۲] بہت خوش اعتقاد ہیں ؎

زورِ بیان

ذی ہمت و خجستہ شعار و ستودہ کار	سر افگن و بہادر و جانباز و سرگزار
انجام بین و عاقبت اندیش و بُردبار	کہنے کو خاکسار مگر آسماں وقار
یہ پیروانِ خضرِ طریقِ نجات ہیں
خوشرو ہیں خوش مزاج ہیں اور خوش صفات ہیں

مرقع نگاری

جتنے ہیں سن رسیدہ وہ سرور کیساتھ ہیں	کم سن جو ہیں وہ دلبرِ شبر کے ساتھ ہیں
اُنسے جو کچھ بڑے ہیں وہ اکبر کیساتھ ہیں	جتنے جواں ہیں وارث حیدر کیساتھ ہیں
اہل و عیال سبطِ پیمبر پہ ہیں فدا
باقی رہے صغیر وہ اصغر پہ ہیں فدا

شوکتِ جلوس

اے حبذا جلوس شہنشاہ نامدار	قدرت کا ایک پھول ہے اور بلبلیں ہزار
آگے پرا جمائے رفیقاں سرگذار	پیچھے تمام خویش و اقارب بصد وقار
ہیں سر بکف رکاب شہِ خوش نہاد میں
تلواریں تولتے ہوئے شوقِ جہاد میں

مقام شراف پر یہ پُر شکوہ قافلہ ٹھہر جاتا ہے اور چند سے قیام کرتا ہے۔ قیام کی چہل پہل اور حالت روانگی کو اس طرح بیان کرتے ہیں :-

ازبسکہ ہے ازل سے بہار و خزاں کا ساتھ[1]	جبتک رہے مقیم وہاں شاہ نیک ذات

[1] ساتھ : ہمراہ۔

ہر سو چہل پہل کے سوا تھی نہ کوئی بات   آگے بڑھے وہاں سے جو خضرِ رہِ نجات
غل پڑ گیا کہ رحمتِ باری نکل گئی
پھولوں کو لے کے بادِ بہاری نکل گئی

چلتے چلتے راستے میں ایک دن جب غضب کی گرمی تھی - اور آفتاب نصف النہار پر تھا -

اک شہ کے دوست نے کہی تکبیر ناگہاں   پوچھا سبب جو شہ نے تو بولا وہ خوش بیاں
گنجان نخل خرمہ ہیں وہ سامنے عیاں   حالانکہ قبل ازیں نہ شجر تھا کوئی یہاں
کیوں دھوپ کے تعب سے اب آشفتہ حال ہوں
ٹھہریں گھنیری چھاؤں میں دم بھر نہال ہوں
جتنے تھے ہمرہان شہنشاہ بحر و بر[1]   آنکھوں پہ ہاتھ رکھ کے لگے دیکھنے ادھر
فرمایا شہ نے غور سے اس سمت دیکھ کر   سمجھے ہو جنکو تم کہ یہ خرمہ کے ہیں شجر
کوفے کی فوج کے یہ ہویدا نشان ہیں
نیزوں کے پھل ہیں اور سمندوں کے کان ہیں
یہ ذکر تھا یہاں کہ قریب آ گئی سپاہ   تھا سب کے آگے حرِّ دلاور بعزّ و جاہ
صف باندھ کر کھڑے ہوئے کوفی حضورِ شاہ   خورشید کی تپش سے مگر حال تھا تباہ
مضطر تھے گوشہ ہائے عبا منہ پہ ڈال کر
رہوار ہانپتے تھے زبانیں نکال کر

---

[1] حضرت امام حسین مراد ہیں ؎

زورِ بیان

تھے شورشِ عطش سے سراسیمہ اہلِ شر تھی ایک کو نہ دوسرے کے حال کی خبر
حدّت وہ آفتاب کی وہ ٹھیک دوپہر چٹیل وہ بن وہ سامنے کی دھوپ الحذر
کوتہ تھے انکی آڑ میں قد جنکے تھے بلند
راکب کا سایہ ڈھونڈتے تھے خاک پر سمند

فوج یزید شدّت تشنگی سے بیتاب ہے - حضرت امام حسینؑ اپنے ساتھیوں کو حکم دیتے ہیں کہ انہیں پانی پلاؤ اور ثواب دارین حاصل کرو -

مرقع نگاری

پھر کیا تھا خادمانِ شہ بحر و بر بڑھے آنکھوں سے حکم شہ پہ مثالِ نظر بڑھے
جتنے تھے اہل خیر سوئے فوجِ شر بڑھے لے لیکے طشت و جام ادھر اور ادھر بڑھے
مشکیں اُٹھا اُٹھا کے چلے پشت دوش پر
اک دھوم تھی کہ فیض کا چشمہ ہے جوش پر

ابن محاربی کا بیاں ہے یہ من و عن میں آخرِ سپاہ میں تھا موردِ محن
ہونٹوں[1] پہ جان زار تھی اور خشک تھا دہن اور دھوپ کی تپش سے پُھکا جاتا تھا بدن
امیدِ زیست قطع تھی مرنے کی آس تھی
ہوتا تھا دم فنا یہ قیامت[2] کی پیاس تھی

---

[1] قریب الموت تھا [2] غضب کی پیاس ہے

مجھ پر جو نورِ عینِ نبیؐ کی پڑی نظر بولے قریب آکے امامِؑ جن و بشر
خواہش جو آبِ سرد کی ہی ناقے سے اُتر اُترا جو میں تو ہو گیا پانی سے تر بتر
مشکیزہ کو درست کیا التفات سے
پانی پلایا آپ نے مجھے اپنے ہات سے
مقتل میں تھے کھڑے یہی کوفی اِدھر اُدھر ریتی پہ جب تڑپتے تھے سلطانِ بحر و بر
تھا پیاس کو حضور کی چو بیسواں پہر آیا کسی کو رحم نہ محسنؑ کے حال پر
کیا کیا دیے نہ رنج شہِؑ تشنہ کام کو
پانی نہ مرتے دم بھی پلایا امامؑ کو
حضرت امام حسینؑ لشکرِ غنیم سے کہتے ہیں کہ

سے

اس فصل میں حرم سے روانہ ہوا اِدھر ثابت اسی عقیدت اول پہ ہو اگر
تو مطمئن کرو مجھے تا دور ہو خطر منظور یہ نہیں تو میں پھر جاؤں اپنے گھر
نہ شوقِ سلطنت ہے نہ کچھ حُبِّ جاہ ہے
نکلے ہیں جسکی راہ میں ہم وہ گواہ ہے
حُر جواب دیتا ہے کہ میں ان خطوں کے مضمون سے محض ناواقف ہوں - ابنِ زیاد سردار فوج شام نے یہ خدمت مجھے تفویض کی ہے کہ میں آپ کو اُسکے رُوبرو لے جاؤں - اسکے بعد حُر اپنی فوج سے متوجّہ ہو کر حکم دیتا ہے جو آگے بڑھ کر حضرت امام حسینؑ کو آگے بڑھنے سے روک

---

[۱] حضرت امام حسینؑ مراد ہیں ؂

دیتی ہے۔ حسینی سپاہ میں جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ حضرت عباس کے تیور بدل جاتے ہیں۔ جگر گوشۂ امام حسنؑ بھی غیض و غضب کی حالت میں ہیں۔ اسوقت کی تصویر اسطرح کھینچتے ہیں:۔

حالتِ جوش و غضب

سب سے سوا تھا غیظ میں خیبر شکن کا لال — عبّاس نامور اسد بیشۂ جلال
آنکھیں تھیں سرخ چہرہ پر نور تھا نڈھال — تن پر کھڑے تھے رونگٹے سر دوش و بال
قبضہ پہ ہاتھ آنکھ تھی حُر سے لڑی ہوئی
ابرو پہ بل پڑے ہوئے تیوری چڑھی ہوئی

دلبند شاہ اور جگر گوشۂ حسنؑ — اک جا بہم تھے صورتِ سعدین سر فگن
تھرّا رہا تھا فرطِ شجاعت سے سب بدن — جرأت نثار تھی وہ شجاعوں کی تھی پھبن
بے اذن حُر پہ ہاتھ اُٹھے دسترس نہ تھا
ہونٹوں کو اپنے چابتے تھے اور بس نہ تھا

بھپرے ہوئے تھے عونؑ و محمدؑ بصد حشم — چھوٹے کا تھا بڑے سے اشارہ یہ دمبدم
اب دیر کیا ہے آپ سے یہ پوچھتے ہیں ہم — کیوں بھائی لیں نیام سے شمشیر برق دم
سمجھے نہ یہ کوئی کہ قلق دل پہ سہ گئے
کم عمر تھے سبھوں سے جبھی پیچھے رہ گئے

ـلـ غصّے کی انتہائی حالت دکھائی گئی ہے ـ۲ـ غصّے میں بھرے ہوئے تھے۔
ـ۳ـ حضرت زینبؑ کے صاحبزادے۔ حضرت امام حسینؑ کے بھانجے ::

چرچا ہے حُر کی بے ادبی کا ادھر اُدھر
امّاں کے گوش زد بھی ہوئی ہوگی یہ خبر
پوچھینگی وہ ضرور کہ تم دونو تھے کدھر
ڈالا تھا حُر نے ہاتھ جو توسن کی باگ پر
مارا اسے نہ اوروں سے لڑ بھڑ کے مرسکے
دیکھا کیے تم آنکھوں سے اور کچھ نہ کرسکے

اس بات کا جواب یہ کیا اے نکو خصال
کہتے تھے عون سچ ہے ہمیں بھی ہے یہ خیال
ہے چھوٹے ماموں جان کو ہم سے سوا ملال
بڑھتے نہیں بزرگ تو چھوٹوں کی کیا مجال
ڈر ہے نہ مفسدوں میں رقم اپنا نام ہو
ایسا نہ ہو خلافِ مزاجِ امام ہو

ان باتوں میں وہ چار گھڑی دن ہوا بسر
شب کو وہیں مقیم ہوئے شاہِ بحر و بر
بستر پہ اپنے فکر میں تھا حُر نامور
آغاز پر نظر تھی کبھی گہہ مآل پر
لیلائے شب کی زلف جو پہنچی کمر تلک[1]
ایمان راہبر ہوا ہادی[2] کے در تلک

رات آدھی گذر چکی ہے۔ حُر لشکر سے نظر بچا کر خیمہ حسینؑ میں پہنچتا ہے۔ اور عرض کرتا ہے کہ یا حضرت یہ جگہ دشمنوں سے گھِری ہوئی ہے اسواسطے اندیشہ سے خالی نہیں۔ آپ کو چاہیئے کہ تاریکیٔ شب کے پردے میں مع لشکر کسی محفوظ مقام پر جا رہیں۔ اگر ابن زیاد پوچھے گا تو میں اس سے خود نپٹ لونگا۔ امامؑ اس رائے سے اتفاق کرتے ہیں اسکے بعد

---

[1] نصف شب کا عالم ÷ [2] حضرت امام حسینؑ سے مراد ہے ÷

لے کر دعائے خیر پھرا حُرِ نامور — فرمایا شہ نے کوچ اسی رات کو اُدھر
سرگشتہ[1] فاطمہ کا رہا چاند رات بھر — سرحدِ نینوا[2] میں ہوا صبح کو گذر

جا نکلے کس طرف کو عزیمت کہاں کی تھی
پہنچے اُسی مقام پہ مٹی[3] جہاں کی تھی

چاروں طرف یزیدیوں کا تھا ہجومِ عام — وہ پیدلوں کی بھیڑ سواروں کا اژدحام
وہ صف کشی وہ مورچے بندی کی دھوم دھام — وہ بندوبستِ میمنہ[4] و میسرہ[5] تمام

کالے نشاں سپاہِ عدو میں کھلے ہوئے
نامِ نبیؐ مٹانے کو بیدیں تُلے ہوئے

اس کے بعد حُر کے انجام کا مرقع دکھاتے ہیں - تمہید کے طور پر کہتے ہیں :-

درسِ عبرت

چاہے خدا تو بندے کا انجام نیک ہو — پھر موت بھی[6] ہے زیست اگر نام نیک ہو
تقدیر ہو جو نیک تو ہر کام نیک ہو — ہر کام میں نحوستِ آیّام نیک ہو

تمہید کے بعد اصل مضمون کی طرف آتے ہیں :-

خیمے سے اپنے حُر نے نکل کر جو کی نگاہ — دیکھا کہ اہلِ کیں ہیں مہیائے قتلِ شاہ
آیا عُمر[7] کے پاس وہ سر آمدِ سیاہ — پوچھا ہے قصد کیا پے مولائے بیگناہ

---

[1] امام حسینؑ اِدھر اُدھر پھرتے رہے [2] کوفہ میں ایک موضع ہے [3] موت کا مقام مقررہ -
[4] داہنے طرف کی فوج [5] بائیں طرف کی فوج [6] نیک کاموں کی وجہ سے مرنے کے بعد بھی لوگ یاد کرتے رہتے - اسلئے فنا نہیں ہوتا [7] شام کی فوج کا سپہ سالار ؛

نہوڑا کے فرقِ نحس کہا اس شریر نے
بھیجا ہے حکمِ قتل کا تیرے امیر نے

ہم ہیں سپاہی دین ہے اپنا حصولِ زر — کیسا مآل ہے نظر اپنی تو مال پر
تیرا ارادہ کیا ہے بتا اے نکوسیر — بولا جری وہی جو ارادہ تھا پیشتر

اسنے کہا اطاعتِ حاکم پہ دھیان کر
تیرا کہاں پہ مورچہ ہے کچھ بیان کر

حُر نے کہا نہیں یہ شجاعوں کا قاعدہ — ہوں جان بُوجھ کر جو شریکِ ملاحدہ
کھُل جائیگا جو قصد ہے کہنے سے فائدہ — تو کیا ہے ساری فوج کریگی مشاہدہ

ہو جائیگا یقین ابھی احتمال سے
ضدین جمع ہوں یہ سراسر محال سے

حُر کی گفتگو سے عمرو اسکے ارادوں کو بھانپ لیتا ہے۔ بلکہ اسے پُورا یقین ہو جاتا ہے کہ حُر امام حسینؓ کا دلی دوست ہے۔ وہ پہلے بھی حر کے متعلق افواہیں سُن چکا تھا۔ اب اسکے شکوک یقین کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ حُر اور امام میں جو پوشیدہ ملاقات ہوئی تھی۔ عمر اس سے واقف نظر آتا ہے اور پوچھتا ہے :۔

طعن آمیز گفتگو

اُس شب کی ٹھیک ٹھیک خبر سُن چکا ہوں میں — پردے کی ہے یہ بات مگر سُن چکا ہوں میں
گذرا وہاں جو تا بہ سحر سُن چکا ہوں میں — رکھا تھا شہ کے قدموں پہ سر سُن چکا ہوں میں

انجان میں نہیں ارے سب جانتا ہوں میں
تیور سے دل کے حال کو پہچانتا ہوں میں

ملنے سے شہ کے کیا تجھے توقیر مل گئی
منصب کوئی ملا کوئی جاگیر مل گئی
قصرِ بہشت کی کوئی تحریر مل گئی
کہنے کو ایک الفتِ شبیرؑ مل گئی
احسان ولی کا اپنے بھلایا بس اور کیا
سیّد کے دامِ عشق میں آیا بس اور کیا

نعرا کیا جری نے خموش او زباں دراز
بس بس میں سُن چکا تری تقریرِ حرصِ آز
کوتاہ عقل مفسدہ پرداز حیلہ ساز
سمجھا ہے آپ کو تو شجاعوں میں سرفراز
سیّد پہ ہاتھ اٹھائے کوئی کیا مجال ہے
جبتک ہے میرے دوش پہ سر یہ محال ہے

حالت جوش و غضب

تیغِ برہنہ ہوں نہیں مجھ کو کسی کا ڈر
سودائے عشقِ حق میں نہیں مجھکو فکرِ سر
کیا نوکری کی اصل کہ جسکا ہو کچھ خطر
پھیری نظر جدھر سے نہیں دیکھتے ادھر
اسکی خبر نہیں تجھے او بے خبر ابھی
گردن اُٹھے تو پھینکدیں ہم کاٹ کر ابھی

حُر حضرت امام حسینؑ اور شمر میں فرق دکھاتا ہے :-

زورِ بیان

یہ دین کا صلہ ہیں وہ ہے کفر کا عوض
انکو رضائے حق سے غرض اور وہ خود غرض

لے آقا - مراد یزید حاکم شام ہے ٭

تسکیں یہ وہ درد یہ آرام وہ مرض   یہ کُل ہیں اور وہ جزو یہ جوہر ہیں وہ عرض
یہ نور شمع طور جہنم کا وہ شرر
یہ گنج ہیں وہ رنج یہ ہیں نفع وُہ ضرر

لے جاتا ہُوں یں جانب مولائے انس و جان   روکے تو ہو خفیف ترا لشکر گراں
کہتا رہا شریر کہ ہاں ہاں کہاں کہاں   غازی نے لی سمند سُبک سیر کی عناں
توسن صفوں کو پہاڑ کے سَن سے نکل گیا
یوسف کنوئیں سے چاند گہن سے نکل گیا

زور بیان

غل تھا بدر ہوا شب یلدا سے آفتاب   کانٹوں سے پھول. سنگ سے خذف سے دُرِ خوش آب
ظلمت سے جلوۂ نور کا ۔ عقرب سے ماہتاب   نافہ سے مشک سے بُو بُو سے پیچ و تاب
سینے سے قلب قلب سے بیروں نظر ہوئی
یا شام کے اُفق سے برآمد سحر ہوئی

بھاگے کتائے کاٹ کے رستے سے اہل شر   رستہ ملا جری کو ہٹے سب اِدھر اُدھر
حضرت کو بسکہ علمِ امامت سے تھی خبر   تھے پیشتر سے منتظر حُر خوش سیر
ہلچل رہی یہاں یہ جری واں پہنچ گیا
مرکز پہ اپنے سالک ایماں پہنچ گیا

لہ گھوڑا غنیم کی صفوں کو چیر کر اس طرح باہر نکل آیا۔ جسطرح سیپ سے چمکدار موتی باہر آجاتا ہے۔
لہ عقرب ایک برج کا نام ہے ۔ گھوڑے کو چاند اور فوج غنیم کو عقرب کہا گیا ہے ٭

حضرت امام حسینؑ میہان کے استقبال کے لئے تشریف لاتے ہیں
آپ کو دیکھتے ہی سہ

کود افرس کی پشت سے غازی بصد حشم
تسلیم کی ادب سے لئے دوڑ کر قدم

پھر قدموں سے سر اٹھا کر کہنے لگا:-

چومے قدم غلام سرافراز ہو گیا

امامؑ نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ :-

قطرہ تھا جسکا تو اسی دریا سے آ ملا

حُر اذن وغا طلب کرتا ہے - امام ہنسکر ٹال دیتے ہیں اور فرماتے ہیں ابھی تم خیمہ میں ٹھہرو بعد میں دیکھا جائے گا - مگر حُر زیادہ اصرار کرتا ہے تو آپ مجبور ہو کر اذن جنگ دیتے ہیں حُر جام شہادت نوش کرنے کے لئے میدان کارزار کی طرف روانہ ہوتا ہے - اسکے بعد گھوڑے کی برق رفتاری کی تصویر کھینچی گئی ہے :-

زور بیان

جم جم کے ہر قدم پہ اکڑتا ہوا چلا ۔ تھم تھم کے مثل شیر اکھڑتا ہوا چلا
بن بنکے دشمنوں پہ بگڑتا ہوا چلا ۔ فر فر ہوا کے جھونکوں سے لڑتا ہوا چلا

سائے کیطرح سامنے سے دھوپ ہٹ گئی
بڑھتے ہی شامیوں کی گھٹا صاف کٹ گئی

سلہ رک رک کر ۔ سلہ تیزی کے ساتھ ؎

پہنچا جو رزمگاہ میں رخشِ عقابِ[1] فر — حیرت زدہ تھے شامی بیدیں اِدھر اُدھر
مرکب کی چال پر کبھی راکب کی شان پر — کہتا تھا ایک دوسرے سے کانپ کانپ کر

بہرامِ چرخ[2] غش ہے وہ چتون کا طور ہے
دیکھو یہ حُر ہے یا کوئی جرّار اور ہے

اس کے بعد حُر کی تلوار کا بیان ہے :-

ہر سمت آبِ تیغ کا طوفاں تھا حشر خیز — غیر از سقر نہ تھی کسی جانب رہِ گریز
برہم زنِ صفوفِ مژہ تھی وہ تیغ تیز — دنبالۂ حسام سے مردم تھے اشک ریز

ابتر تھا حالِ چشم صغار و کبار کا
خط کھینچتی تھی سرمۂ دنبالہ دار کا

اتنے میں ایک شریر نے کمین گاہ سے بڑھ کر حُر کا پہلو زخمی کر دیا

اس صدمۂ جانکاہ سے ابھی تک حُر

سنبھلا نہ تھا کہ چلنے لگے ہر طرف سے وار — گرزو سنان و خنجر و شمشیر آبدار
زخموں سے چُور ہو گیا جسمِ وہ دلفگار — گھوڑے سے گر پڑا اسد اللہ کا جاں نثار

غل دونو لشکروں میں ہوا حُر ہوا شہید
غازی جری دلیر بہادر ہُوا شہید

---
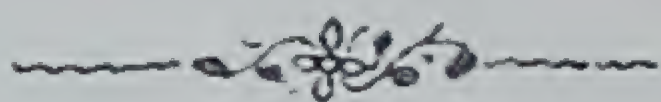
[1] برق رفتار گھوڑے کو تیزی رفتار میں عقاب سے تشبیہ دی گئی ہے ؎

[2] مریخ کو کہتے ہیں ؎

علی میاں کامل لکھنوی

حضرت امام حسینؑ کا داخلۂ کربلا

ہاں اے فلک جواہرِ انجم نثار کر ہاں اَے سحاب بارشِ رنگِ بہار کر
ہاں اے نسیم راہ کو آئینہ وار کر ہاں اَے زمینِ دشتِ بلا افتخار کر
آیا قدم حبیبِ خدا کے حبیب کا
مقتل میں داخلہ ہے امامِ غریب کا

ایک جگہ دشتِ کربلا کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

صدقے صفائے آئینۂ سرنوشت کے
دامن میں تیرے پھول ہیں باغِ بہشت کے

غنیم کا سپہ سالار حضرت عبّاس سے اپنے عقبی جرار لشکر کے متعلق کہتا ہے ؎

راہوں میں اجتماع عساکر ہے قہر کا
ہنگام ہے تزلزلِ ارکانِ دَہر کا

غنیم کا سپہ سالار حضرت عباس سے کہتا ہے کہ عقب میں ابن سعد لشکرِ جرّار کے ساتھ آرہا ہے اور ابن سعد ہے کون ؟

دشمن ہے ابن فاتحِ بدؔر و حنین کا
بیڑا اٹھا چکا ہے وہ قتل حسینؑ کا

لہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ مراد ہیں ؛

حضرت عباسؑ امام حسینؑ کی شان میں یہ گستاخانہ الفاظ سن کر تیور بدل لیتے ہیں -

سُنناتھا یہ کہ سُرخ ہوا چہرۂ جری ؑ آیا غضب میں سروِ خرامانِ حیدری
فوجوں کے دست و پا میں پڑی ڈر سے تھرتھری چشمِ حباب میں نہ رہی خوف سے تری
نعرہ کیا جو شیر ترائی نے کچھار میں
گرداب ڈر سے بیٹھ گئی آبشار میں

کنارِ فرات لشکروں کے ہجوم کی تصویر کھینچتے ہیں ؎
ہوگا کنار نہر یہ انبوہ فوج کا
اپنی جگہ سے پاؤں نہ اٹھیگا موج کا

حضرت عروج لکھنوی

طبل وغا بجانے لگی فوجِ نابکار فارغ ہوئے نماز سے یاں شاہِ نامدار
جسدم پرے جماکے بڑھے وہ جفاشعار کہنے لگا یہ تب پسرِ شیرِ کردگار
کہدو یہ بڑھکے فوج سے کیوں بیقرار ہے
حجت تمام ہولے تو پھر اختیار ہے

جناب حبیب حضرت امام حسینؑ کا پیام فوجِ غنیم کو سنا کر کہتے ہیں :-
بچّوں کو پانی بھیجدو خوفِ خدا کرو
یارو مسافروں پہ نہ اتنی جفا کرو

حُر حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں نذر پیجانے کے بارے میں بھائی سے کہتا ہے ؎

ہمراہ سیم و زر نہ گھر لے کے جائیے
بہتر ہے ابن سعد کا سر لیکے جائیے

شمر حر کو حضرت امام حسینؑ پر حملہ کرنے کا حکم دیتا ہے تو حُر کہتا ہے :-

وہ ہے غلام شاہ جو اہل تمیز ہے
مجھ کو تو دل سے یوسف زہرا عزیز ہے

شمر کہتا ہی کہ ابن سعد ناراض ہوگا اسپر حُر جواب دیتا ہے :-

جاونگا میں تو اسکو خبر کر کے جاؤنگا
بولا وہ کچھ زباں سے تو سر لیکے جاؤنگا

اتنے میں ابن سعد آجاتا ہے۔ شمر تعظیم کرتا ہی حُر پرواہ نہیں کرتا۔

کچھ دیر تک خموش ستمگر کھڑا رہا
تیوری چڑھائے حُر بھی برابر کھڑا رہا

اسپر ابن سعد جھلا کر کہتا ہے کہ اب تم سلام کے رواوار بھی نہیں۔ حر کہتا ہی

اب مجھکو بندگیِ شہِ دیں سے کام ہے
اس نوکری کو آج سے میرا اسلام ہے

ابن سعد حر کو ڈانٹتا ہے حُر غصہ سے کہتا ہے اپنی تقریر بند کر ورنہ ؎

یہ جان لے کہ جسم میں جاں بھی نہ ہوئیگی
اب کچھ کہا تو مُنہ میں زباں بھی نہ ہوئیگی

حضرت امام حسینؑ حُر کے استقبال کو باہر آتے ہیں ؎

مجمع یہ انکا تھا جو نبی کے پیارے تھے
اک ماہتاب تھا تو بہتر ستارے تھے